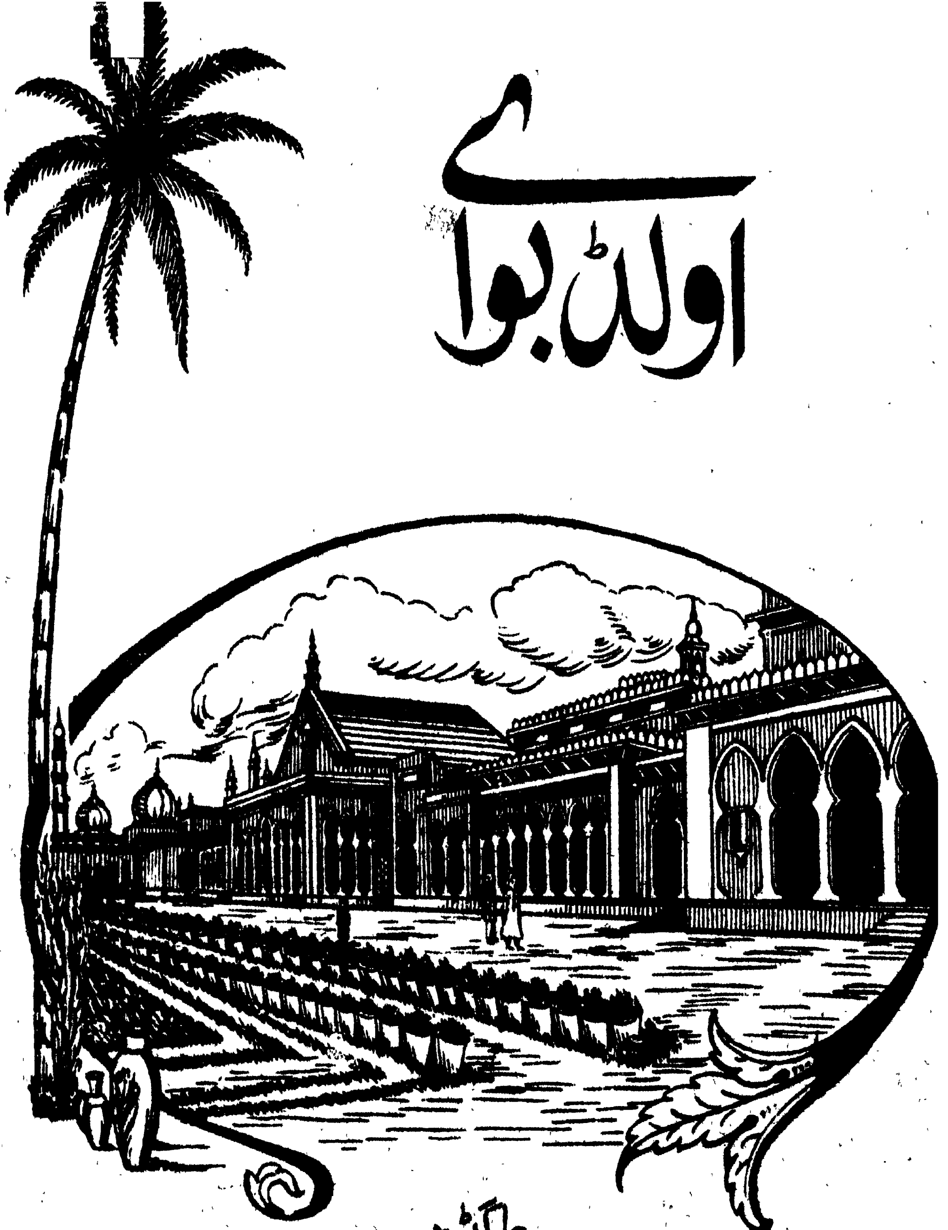
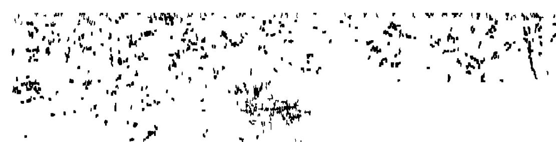
اولڈ بوائے



علی گڑھ



Regd : No. M.2335

نشان ثبیہ سرکار آصفیہ

اولڈبوائے



نمبر	مضمون	مضمون نگار	
۱ -	امداد باہمی (نظم)	ہز اکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر	۲
۲ -	میر حسن	ادیب الملک نواب سید نصیر حسین خاں خیال	۳
۳ -	افادات لبیب (نظم)	صاحب عالم حضرت لبیب دہلوی	۱۳
۴ -	مسلم یونیورسٹی	"خیر طلب"	۱۵
۵ -	میں راولپنڈی میں	جناب مسٹر سید اشفاق علی صاحب بی اے	۱۸
۶ -	مثالی شوہر (ڈراما)	جناب مولوی نذیرالدین صاحب ایم اے	۲۲
۷ -	گاہے ماہے	جناب مولوی محمد یعقوب صاحب ایم ایل اے	۳۱
۸ -	ڈاکٹر ناظر یار جنگ	....	۳۵
۹ -	شادی برگیڈ (نظم)	جناب مولوی سید غلام پنجتن صاحب بی اے ایل ایل بی	۳۸
۱۰ -	بھوپال میں ہاکی	جناب خواجہ علاءالدین صاحب	۴۰
۱۱ -	یاد ایام	"سیلانی"	۴۲
۱۲ -	ہمارا کالج	....	۵۱
۱۳ -	اولڈبوائز	....	۵۴

سید منظر علی اشہر مدیر و ناشر نے ۱۲ - ۳ - ۱۰ سلطانپورہ حیدرآباد دکن سے شایع کیا

قیمت سالانہ عہ — قیمت ششماہی عہ

امداد باہمی

عطیہ مہاراجہ سر کشن پرشاد یمین السلطنت بہادر

شاہوں کی ساری شوکت امداد باہمی ہے
کہیئے جسے رعیت امداد باہمی ہے

باہم ہیں چار عنصر اضداد سب ہیں یکجا
یہہ فطرتی ہدایت امداد باہمی ہے

ہمدرد ہیں جو باہم انساں کے سارے اعضا
یہہ مقتضائے فطرت امداد باہمی ہے

باہم حواس خمسہ رکھتے ہیں ربط ایسا
یہہ غائبانہ دولت امداد باہمی ہے

محنت کے بعد راحت راحت کیساتھ دولت
دولت کی اک علامت امداد باہمی ہے

امداد بھائیوں کی امداد اپنی جانو
اور انکے ساتھ شرکت امداد باہمی ہے

اصلی ہماری ہمت اصلی ہماری جرأت
اللہ کی عنایت امداد باہمی ہے

گر ایک کی ہو محنت اور دوسرے کی دولت
یہہ بھی توفی الحقیقت امداد باہمی ہے

اے شاد دل لگا کر سن تو مری نصیحت
دونوں جہاں کی دولت امداد باہمی ہے

<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<



ہمارے مخدوم نواب سید اصیر حسین خاں صاحب خیال کا خیال ہے کہ میر انیس کی زبان و شاعری کا حسن، اسوقت تک نہیں کھل سکتا، جبتک اُنکے خاندان، اور اُن کے بزرگوں کے حالات، اور اُن کی تعلیم و تربیت، اور پھر اُن کے مذاق کا کافی علم نہو۔ اسی لحاظ سے موصوف نے، اس خانوادہ کا حال قلمبند کر دیا ہے۔ اپنے اس بیان کو انھوں نے امیر امامی ہروی سے شروع کر کے میر خلیق (والد بزرگوار میر انیس) پر ختم کیا ہے۔ امامی ہروی اس خاندان کے پہلے بزرگ ہیں، جو عہد شاہجہانی میں ہندوستان آئے، اور متوسلین شاہی میں داخل ہوے۔

میر نفیس (خلف میر انیس) کی زبان سے مرثیہ ؎

نمک خوانِ تکلم ہے فصاحت میری

میں، یہہ مصرعہ ؎

پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

کہلوایا گیا تھا، جو بہت مشہور ہوا، اور اب تک زبان زد خاص و عام ہے۔ اس لحاظ سے ضرور ہوا کہ میر ضاحک کا مشرح طور پر ذکر کیا جائے، کہ وہ اِس خاندان میں اوّل مرثیہ گو ہیں، اور جنھیں یاد کر کے نفیس نے خود کو پانچواں مداح تسلیم کرایا ہے۔ اس مداحی اور مرثیہ گوئی کا سلسلہ یوں نظر آتا ہے ۔

میر ضاحک ۔ میر حسن ۔ میر خلیق ۔ میر انیس ۔ میر نفیس ۔

ہمارے ادیب الملک (خیال) نے، اس خاندان کے اول مرثیہ گو میر ضاحک کی زبان و شاعری پر خاص نظر کی، انکی تعلیم و تربیت کو بتایا، اور پھر میر صاحب کی مرثیہ گوئی پر مبسوط تبصرہ کر کے دکھایا کہ اس خاندان میں اردو کا ذوق ابتدا سے رہا، اور شاعری کا مذاق صحیح اس خانوادہ کا آئین سمجھا گیا ہے۔ نیز یہ کہ یہی اثرات و اسباب تھے، جنہوں نے آخر اس ملک و قوم میں انیس کا سا شخص پیدا کر دیا، جس کا مثل نہ پہلے کوئی تھا، اور نہ آئندہ پیدا ہونے کی امید ہے! یہ لمبا اور وقیع مضمون کلکتہ کے مشہور رسالہ آفتاب میں شایع ہو چکا ہے۔

اس نادر سلسلہ میں میر حسن وہ دوسرے بزرگوار ہیں، جن کی زبان و شاعری ہمیشہ ممتاز رہی، اور پھر ان کی مرثیہ گوئی بھی سراہی گئی۔ اس لحاظ سے ضاحک کے بعد حسن کے حالات کا انکشاف بھی ہمارے مخدوم کے قلم نے ایک ایسے طرز و انداز میں کر دیا جو مجتہدانہ ہے۔ انھوں نے حسن کے گھر کا حال روشن کر کے انکی تعلیم و تربیت، اور علمیت و قابلیت کو بھی جلوہ دیا، اور اس بیان کو انکی بے نظیر مثنوی سحر البیان سے شروع کیا ہے۔ اس ذکر کا پہلا حصہ (یعنی مثنوی مذکور کی حمد) ابھی ہم تک پہنچا ہے؛ جسے ہم بذوق و شوق اپنے رسالہ میں شایع کرتے ہیں۔ امید کہ ناظرین اوالڈبولئے اس کو بغور مطالعہ فرما کر اس کی کما حقہ قدر فرمائیں گے۔

ادیب الملک حضرت خیال کے ادب انشاء کے متعلق ہم کو کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ مضمون پامال ہو چکا ہے، اور ملک کے مشہور ادیبوں نے انکی نسبت اپنا زور ختم کر دیا ہے لسان القوم مولانا صفی لکھنوی کلکتہ کی تعریف میں فرماتے ہیں ؎

کون کلکتہ؟ نظرگاہ خیال خوش مقال
نثر اردو کو ہے جس پر ناز، وہ نازک خیال

ہماری گزارش اسوقت صرف اسقدر ہے کہ عالمانہ انداز، اور انکے جدید طرز استدلال پر موقع خاص نظر کیجائے؛ جس کی نظیر ہماری ایشیائی زبانوں میں دکھائی نہیں دیتی، اور ہمارے اہل انشا پر جس کی تقلید فرض ہے۔ اوالڈبولئے

اردو کا مکتب دلی میں کھلا تھا اور اب اس کا شہرہ دور دور پھیل رہا اور ہر طرف اسکے پرستار

پیدا ہو رہے تھے کہ اس (مکتب) کے لئے خدا نے ایک ایسا شاگرد بھیجدیا جو آگے چل کر اس اسکول کا پرنسپل اور اس زبان کا مسلم الثبوت استاد مانا گیا۔

میر ضاحک کے گھر کو حسن کے وجود سے ۱۱۴۰ھ میں شرف حاصل ہوا۔ یہ زمانہ محمد شاہ اور دلی کی اس رونق کا تھا جس کا سماں ایک عرصہ تک ہمارے دل دماغ پر چھایا رہا۔ حسن نے ہوش سنبھالتے ہی اُس اُٹھتی بزار (دلی) سے وہ نقد جنس حاصل کیا جو واقعی انمول تھا اور جس کا ذخیرہ ابھی زندگی کے ہر شعبہ و مدارج میں کام آتا اور نمایاں رہا۔

اُس عہد کے لوگوں کے طریقہ تعلیم و تربیت سے واقفیت کیلئے پُرانی بیاضوں اور یادداشتوں پر نظر کی ضرورت ہے جس پر غور کئے بغیر ہمارا وہ تمدن سمجھ میں نہیں آسکتا جسے گنوا کر آج ہم خسر الدنیا والآخرہ کے مصداق ہو گئے۔ تاریخ دانوں اور واقف کاروں پر پوشیدہ نہیں کہ اسوقت ہمارے عُمدہ گھروں کی صحبت و معاشرت خود ایک معلم بے بدل اور ایک ایسی اُستاد تھی جس کا جواب آجکل کی مشہور و باقاعدہ یونیورسٹیاں بھی نہیں دے سکتیں۔

حسن جس گھر میں پیدا ہوئے وہ علم و ادب کا درسگاہ سمجھا اور مذہب و اخلاق کا مدرسہ مانا جاتا تھا۔ علاوہ اسکے اسوقت تک تحصیل علوم کا شوق عام اور عربی و فارسی کے درس و تدریس کا دروازہ کھلا ہوا اور ہر اچھے خاندان کیلئے اسکا حاصل کرنا لوازمات شرافت میں سے تھا۔ اسلئے انھوں نے اپنی جوانی تک وہ سب حاصل کر لیا جو انکے خاندان اور اسوقت کی صحبت کے ایک رکن کے لئے لازمی و ضروری تھا۔

اُس زمانہ کے شرفا و نجبا میں علوم ظاہری کی تحصیل کے ساتھ ساتھ علوم باطنی کا کسب و کشف بھی تمغۂ شرافت تصور ہوتا تھا، اور اسکی تحصیل کے مدرسہ بھی شوقینوں کیلئے کھلے ہوے تھے۔ یہہ طریقہ ہمارے یہاں گو ایک عرصہ سے جاری تھا لیکن عالمگیر کے بعد اور جبکہ سلطنت میں انقلاب و زوال شروع ہوا تو گداز ی دل ابھرنی گئی اور فرخ سیر کے وقت تک علوم باطنی کا چرچا بھی عام ہوگیا۔

محمد شاہ کے زمانہ کو یاد کرنیوالے، اُس عہد کی صرف اُن آبادیوں، بیفکریوں اور خصوصاً اُن رنگ رلیوں کو جلوہ دیتے ہیں جو جلوہ خانہ دلی میں اسوقت بظاہر آئینہ تھیں۔ مگر اس تصویر کا دوسرا رُخ مٹا دیا جاتا اور دماغ اس سے خالی رہ کر طرح طرح کے ولولوں کا ارژنگ بن جاتا ہے۔

اُس دور میں علوم و فنون کی ترقی کا ذکر ہمارے موضوع سے باہر ہے لیکن اتنا اشارہ بے موقعہ نہ ہوگا کہ ہندوستان پر مسلمانوں کے تسلط کے بعد ہی یہہ ملک پھر اپنا قدیم رنگ اختیار کرنے لگا۔ ہندوؤں کے زمانۂ عروج میں علوم و فنون نے جو ترقی کی وہ ظاہر ہے لیکن اس عہد میں مذہب کو بھی جو رونق ہوئی اسکی نظیر دنیا بمشکل پیش کر سکتی ہے۔ سلطنت کے زوال اور اِس قدیم مذہبی قوم (ہنود) کے انحطاط پر، جیساکہ قاعدہ ہے، اصلی مذہب کا ولولہ و غلغلہ بھی یہاں کمزور ہونے لگا۔ تا اینکہ مسلمانوں نے اس ملک کو اپنا گھر بنایا اور آخر یہاں کے قدیم مذہب سے اپنے جدید مذہب کی آواز ملانا شروع کر دی۔ علما و مشائخین کا زبردست گروہ اسی وقت قائم ہوا، اور، غوریوں، خلجیوں کے وقت تک علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی کی تخم ریزی بھی ہونے لگی۔ سلطان جی (نظام الدین اولیا) کا دلّی میں قیام اُسپر مزید اور گداز ئی دل کیلئے نہایت مفید ثابت ہوا۔ ادب فارسی کے تیلے پر کچھ قبل سے مذہبی و اخلاقی جامہ پہنایا جا رہا ؟ اور اسکے اثر سے نہ صرف زمین ایران ہی متاثر ہو رہی تھی بلکہ کل فارسی داں اقوام و ممالک پر اسکا گہرا اثر چھایا ہوا اور ہند بھی اس نازو نیاز سے خالی نہ تھا۔ یہاں ان ہی سلطان الاولیا کی برکت و توجہہ سے آخر میر خسرو کا طوطی زبان بھی چہکا، اور انکے کلام نے اُس اثر میں خاطر خواہ اضافہ کرکے اِس رنگ (مذہب و تصوف) کو اور شوخ کر دیا۔

مغلوں کا زمانہ اصل بابر سے شروع ہوتا ہے لیکن اسکے مختصر یعنی چار سالہ قیام ہند میں اور پھر ہمایوں کی گردش تقدیر کے سبب گو مذہب کی آواز بلند نہ ہو سکی لیکن یہہ وہی قدیمی اثر تھا کہ اکبر کو یہاں دوبارہ تسلط حاصل ہوتے ہی مذہبی رنگ جمنا اور مختلف پیرایہ میں اس کا اظہار شروع ہو گیا اور پھر اسکے دو ہی پشت بعد اسی گھر میں دارا کا سا باخبر شاہزادہ پیدا ہوا جسنے عرب و ہند کے عرفان و تصوف میں رشتۂ اتحاد قائم کر دینا چاہا۔ یہہ کوشش و کاوش خالی کیونکر جا سکتی تھی ؟ اور یہہ اسی کا نتیجہ تھا کہ دلّی کی زمین پر سرمد منصور سمجھا گیا! اور اسکے بعد اس عہد تک، جس کا ذکر ہم کر رہے ہیں، وہ اثر و رنگ برابر اور گہرا ہوتا چلا۔ اور محمد شاہ کے وقت میں، جہاں ایکطرف عیش و نشاط کے ساز چھڑے تو دوسری طرف اخلاق و تصوف کے نعرے بھی گونجتے اور دلوں کو ہلاتے رہے!

نواب نوازش علیخاں اسی عہد کے امرا میں سے ہیں جنکے گھر (دلّی) میں محفل میلاد و مجالس عزا کی بنیاد

پڑھی۔ اور حضرت خواجہ ناصر عندلیب (خواجہ میر درد کے والد) اسی زمانہ کے وہ صاحب باطن بزرگ ہیں جن کا مدرسہ و تکیہ، مذہب و اخلاق کے درس کیلیے مشہور خاص و عام رہا۔ اور اِن دونوں بزرگوں کی برکت سے یہہ مذہبی چرچا گھر گھر پھیل گیا۔

یہہ رنگ مذہب و تصوف کا ، خصوصاً دلّی میں اسطرح عرصہ سے قائم تھا ، میر حسن وہاں پیدا ہوئے ، اور ایک نامی خاندان میں نشو و نما و پرورش پانے کی وجہہ سے اُن تمام اثروں کے ساتھ جو اس وقت چھائے ہوے تھے ، اس خاص اثر سے بھی وہ کسطرح بچ سکتے تھے ؟ اور یہی وجہہ تھی کہ فہم و رشد کو آتے ہی ہم انھیں خواجہ میر درد کی صحبت میں ، اور پھر ان کے آگے زانوئے شاگردی تہہ کرتا ہوا پاتے ہیں۔ وہ خود کہتے ہیں کہ "لیکن طرز سخن دیگراں کماہی از من سرانجام نہ شد۔ بقدیم دیگر بزرگاں مثل حضرت خواجہ میر درد کہ در و مند بیمار ئے اوشاں عالمگیر است و از کلام درد اوشاں جگر عالمے پر درد ، ذات بابرکات اوشاں مایل درویشاں چوں فرو فرو ...... دیگرے را بخیالِ خود قائم نہ کردم کہ وضع آنرا پسندم و دل بگفتار انہا بندم"![51]

حق ہے! اس صحبت کے نصیب ہونے اور پھر مذہب و تصوف سے آشنا ہو جانے کے بعد ان کا دل پھر کدھر لگتا ؟ اسی مزے اور یکسوئی کا نتیجہ تھا کہ عنفوان شباب میں جب دلّی چھوڑ کر لکھنؤ آرہے تھے تو شیخ وقت[52] کے حضور میں یہہ رباعی پیش کر کے دکھا لیتے ہیں!

جاناں ز تو اُمید نگاہے داریم   اُمید نگاہے ز تو گاہے داریم
ما گشتہ چشم سرمہ سائے ہستیم   نے نالہ و نے فغاں، نہ آہے داریم

اور پھر جب فیض آباد آتے تو اسیطرح کی صحبت میں دل لگاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ۔ "چوں در فیض آباد رسیدم ، بخدمت میر حبیب اللہ برادر زادۂ شاہ مبین قدس سرہٗ کہ درویش معروف اند و میر ابراہیم نور اللہ مضجعہ برادر ایشاں نیز مشہور ، صحبت گذیدم"![53]

---

[51] دیباچہ کلیات حسن قلمی [52] غالباً شیخ علی حزیں [53] دیباچہ کلیات حسن قلمی۔

یہہ تھیں وہ صحبتیں جن کے فیض سے اُنکی طبیعت و فطرت پر جلا ہوتی رہی اور جن کی بدولت (انکے ذریعہ سے) ہمارے یہاں وہ اعلیٰ مذاق شاعری قائم ہوگیا جس کا مثل ممکن نہیں۔ اُس اعلیٰ فطرت اور قدرتی شاعری کا اظہار کچھ تو ان ہی کے وقت میں ہوگیا لیکن اسکی تکمیل انکے پوتے میر انیس کے ذریعہ سے مقدر تھی اور وہ ہوکر رہی۔ میر حسن، اصل بچپنے ہی سے ایک عظیم الشان کام کے سرانجام کیلئے تیار ہورہے تھے۔ اور قدرت نے اس کام کی خاطر انھیں منتخب کرکے ایسی تعلیم و تربیت پر لگا دیا جسکی تحصیل کے بغیر اس امر کا خاطرخواہ انجام ممکن نہ تھا۔ یہہ عظیم الشان کام انکی اس بے نظیر مثنوی کا سرانجام تھا جو دنیا میں سحرالبیان کے نام سے ظاہر ہوئی اور بدرکامل بن کر چمکی۔ اس مثنوی کو جسنے بغور پڑھا، وہی سمجھ سکتا ہے کہ جب تک دنیا و زندگی کے مختلف شعبہ و مدارج میں کسی کو دخل تام نہ ہو ایسی کوئی شئے اسکے دماغ و قلم سے نکل نہیں سکتی۔

اس عجیب و غریب تصنیف کے مختلف رنگ و پہلو ہیں جن کے مختصر طور پر دکھا دینے کی ہم آگے کوشش کریں گے۔ ان رنگوں میں سے سب میں اوّل اور پختہ رنگ اُس معرفت کا ہے جس سے بسم اللہ کی گئی اور جو انکی اس عمدہ تعلیم و تربیت کی شاہد ہے جسکی تحصیل کے بغیر ایسے نادر و اعلیٰ مضامین انسانی تخیل کی سرحد سے باہر ہیں۔

انکی اس معرفت کا تمیزدارانہ و عاقلانہ پہلو یہہ ہے کہ مسئلہ وجود (باری تعالیٰ) کو بےچون و چرا تسلیم کرلینے کے بعد اپنی حمد، مسئلہ توحید کے اثبات سے شروع کرتے، اور پھر صفات کے وسیع و پُر اسرار میدان کو اپنے زور قلم سے بہ شائستگی سر کرنے اور پھر علمائے ظاہر و باطن دونوں کا خیال رکھ کر بیچ کا رستہ اختیار کرتے ہیں۔ سنو کہتے ہیں۔

حمد

کروں پہلے توحید یزداں رقم ۔۔۔ جھکا جسکے سجدے میں اوّل قلم
سر لوح پر رکھ بیاض جبیں ۔۔۔ کہا، دوسرا کوئی تجھ سا نہیں
نہیں کوئی تیرا، نہ ہوگا شریک ۔۔۔ تیری ذات ہے، وحدہٗ لاشریک
ددے سب ہیں اُسکے، وہی سب سے پیش ۔۔۔ ہمیشہ سے ہے اور رہے گا ہمیش

یہہ اشعار تقریباً ۱۱۹۹ھ میں یعنی آج سے ڈیڑھ سو برس قبل کہے گئے! انکی زبان وطرز ادا کی نسبت واقعی فقرہ کسقدر چسپت ودرست ہے۔ کہ حسن کے گھر کے سوا اس زبان کا حسن کہیں اور اسطرح[1] جلوہ نہ دے سکا!

اس "معرفت" میں یہہ ذکر "توحید" واقعی آپ اپنا جواب ہے حسن کے ادراک کا شاہد قوی ہے اور یہہ اسی نیک تربیت کا صلہ ونتیجہ ہے جو انہیں حاصل ہوئی اور جسکی بدولت یہہ اپنے ہمعصروں میں ہمیشہ ممتاز دکھائی دئیے اور پھر ان کے اخلاف میں یہہ درک وامتیاز، زمانہ کی ترقی کے ساتھ قوی تر ہوگیا۔

اس ذکر میں وہ اپنا فرض بتاتے اور ؎

کروں پہلے توحید یزداں رقم

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ کی لطف واختصار کے ساتھ تفسیر کرتے ہیں! اور اپنے موصوف کے لئے فصیح ترین لفظ "یزدان" منتخب کرلیتے ہیں۔ اوّل مصرعہ میں "پہلے" کا لفظ اور دوسرے مصرعہ میں "اوّل" لاکر نہ صرف ایک صنعت شاعری ہی کو پورا کرتے ہیں بلکہ پہلے انسانی فرض بتاتے اور پھر اس "قلم" کو جس کا زور مسلم ہے، جھکوا کر الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ کی شان نمایاں کردیتے ہیں! پھر قلم سجدے میں گیا اور لوح محفوظ پر اپنی پیشانی رکھ کر، اس کائنات کیطرف سے گویا ہوا کہ۔ دوسرا کوئی تجھ سا نہیں، آگے اسپر اور زور دیکر اسی مطلب کو دہراتے اور وحدہ لاشریک کا بہترین ترجمہ در زبان کرتے ہیں ؎

نہیں کوئی تیرا، نہ ہوگا شریک

بعد کے دونوں شعر حفظ وظیفہ کے لائق ہیں۔ "قدیم"، جو صفاتِ باری میں ایک اہم وضروری صفت ہے اسے اپنی افصح زبان میں کسطرح سمجھا دیتے ہیں؟

ورے سب ہیں اس سے، وہ ہے سب سے پیش
ہمیشہ سے ہے اور رہیگا ہمیش

اب پھر وحدت کیطرف عود کرتے ہیں کہ صفات میں مشقِ اوّل یہی ہے، جسکے مان لینے کے بعد باقی صفات کی معرفت آسان ہے ؎ چمن میں ہے وحدت کے یکتا وہ گل، کہ کہہ کر جب نہیں ہوتے بلکہ اسکے ساتھ ہی کچھ

[1] اردو کانفرنس منعقدہ [illegible] کی تقریر صدارت۔

اور کہتے اور حرف بیان (کہ) کی کڑی سے دوسرے مصرعہ کو، اوّل سے یوں جوڑ دیتے ہیں ؎

کہ مشتاق ہیں جس کے یاں، جز و کُل،

گُل اور کُل، کا تمثیل قافیہ وصنعت تو ایکطرف، یہاں، وحدت الوجود، کے ساتھ کثرت وجلوت کی کیسی شان ظاہر کردی۔ اور لفظ (مشتاق) نے کس غضب کا شاعرانہ انداز پیدا کر کے، معشوق ومحبوب اصلی وحقیقی کیطرف فطری کشش کو کسطرح نمایاں کر دیا۔

یہہ ہے وہ ذکر توحید جسکی مثال دُنیا کی کسی زبان وشاعری میں ملنا ممکن نہیں۔ فردوسی اس ذکر میں بہت پیش پیش ہے اور دیگر شعراء عموماً اسی کی تقلید کرتے چلے آئے اور اپنی حمد میں اس کی اتباع سے بچ نہ سکے۔ ابوالقاسم نے اس باب میں جو کچھ کہا وہ ایک لطیف حکایت کے ساتھ یوں ادا ہوا ہے کہ

مولانا گرکانی (شیخ ابوالقاسم) رحمۃ اللہ علیہ کہ بزرگ عصر بود، بنماز جنازہ (فردوسی) حاضر نگشت وگفت، فردوسی مردِ عالم وزاہد بُود، ترک سیرت خود کردہ عمر در سخن بدبینانان صرف کردہ برچنیں کس نماز کردن واجب نیست ونہ باید نماز کرد۔ چوں شب درآمد، شیخ مذکور بہشت را در خواب دید، وقصر باعظمت در نظر پدید آمدید، انجا ور شدہ، سرپرے از یاقوت دید، گفت، ایں سریر آزاں کیست؟ رضواں در جواب گفت کہ ازاں فردوسی است۔ دراں حال دید کہ فردوسی پیدا شدہ وجامۂ سبز پوشیدہ تاجِ زر در زنگ بر سر داشت پُرسید کہ اے فردوسی ایں جاہ وحُرمت از کجا پیدا کردہٖ؟ گفت از یک دو بیتِ توحید را حضرت حق سُبحانہٗ، وآں بیتِ توحید کہ گفتہ ام ایں است۔ ؎

ستائش کنم ایزدِ پاک را | کہ گویا و بینا کُند خاک را
بہ مُورے دہد مالشِ نرّہ شیر | کُند پشہ بر پیل جنگی دلیر
جہاں را بلندی وپستی توئی | ندانم چۂ؟ ہر چہ ہستی توئی (دیباچہ شاہنامہ)

واقعی نہایت پاکیزہ اشعار ہیں لیکن مثنی اوّل یعنی ذکر توحید، سے متّرا اور جیتک

یہہ ذکر واضح نہ ہو لے دیگر صفات کا بیان لایعنی! حسن نے اسے خوب سمجھا اور اس عیب سے اپنے کلام کو پاک رکھا!

اس حمد میں دیگر صفات یوں بیان ہوئے ہیں۔ ؎

وہی مالک الملک دنیا و دیں — ہے قبضہ میں اس کے زمان و زمیں
سدا بے نمودوں کی اس سے نمود — دلِ بستگاں کا ہے اس سے کشود
اسی کی نظر سے ہے ہم سب کی دید — اسی کے سخن پر ہے گفت و شنید
نہیں اس سے خالی غرض کوئی شے — وہ کچھ شے نہیں پر ہر اک شے میں ہے
نہ گوہر میں وہی، نہ ہے سنگ میں — ولیکن چمکتا ہے ہر رنگ میں
وہ ظاہر میں ہر چند، ظاہر نہیں — پہ ظاہر کوئی اس سے باہر نہیں
تامل سے کیجے اگر غور کچھ — تو سب کچھ وہی ہے نہیں اور کچھ
اسی گل کی بو سے ہے خوشبو گلاب — پھرے ہے لئے ساتھ دریا حباب
پر اس جوش میں آکے بہتا نہیں — سمجھنے کی یہ بات کہتا نہیں!

قدیم، قادر، عالم، حی (زندہ) اور مرید (صاحب ارادہ) اور مدرک و متکلم وغیرہ اُس ذات کے صفات ثبوتیہ ہیں۔ اس بیان کے شروع ہی میں ؎

ہمیشہ سے ہے اور رہے گا ہمیشہ

کہہ کر، قدیم، کو سمجھا دیا کہ وہ سب سے اوّل ہے! اور بعد کے اشعار میں باقی صفات کی تشریح و توضیح کر دی۔

صفات سلبیہ (یعنی وہ صفتیں جو اس ذات سے متعلق نہیں ہو سکتیں) کو بھی بہ لطافت اور شاعرانہ رنگ میں بتا گئے۔ ان صفات سے چونکہ مدعی کو انکار ہے اسلئے، لا الٰہ الا اللہ کے "لا" (نہیں) کی طرح، کلام و بیان کو "نفی" سے شروع کر دینا عین بلاغت اور زور طبیعت ہے ؎

نہیں اُس سے خالی غرض کوئی شے
نہ گوہر میں ہے وہ نہ ہے سنگ میں

اور

یہہ دونوں شعر پُر زور نہیں اور نہ اس سے شروع ہوئے اور اسطرح وتفی کو بتا اور سمجھا گئے!

اِس حمد میں، فردوسی نے بھی حق یہہ ہے کہ بڑا زور لگایا اور ؎

بہ مُورے وہد مالشِ نرّہ شیر گُنجشکہ بسپیل جنگی دلیر را

میں اُسنے اپنی قوتِ طبیعت صرف کردی لیکن اوّل تو بیت کے دونوں مصرعوں کا مطلب واحد ہے۔ دوسرے بیان میں شاعرانہ انداز قائم نہ رہ سکا اور کلام شاعری کے آسمان سے اُتر کر نظم کی زمین پر آرہا۔ برخلاف اسکے حسن نے جو کچھ کہا وہ شاعری کی معراج ہے! ؎

سدا ہے مومون کی اِسی سے نمود دلِ بستگاں کو ہے اس سے کشود!

کہہ کر کسی خاص مخلوق کی قید سے بیان کو آزاد رکھا اور ایک عالم کو اُس قادر کے تحت و تصرف میں دیدیا! میر حسن کے وقت تک ہماری زبان و شاعری فارسی کی مطیع و مقلد تھی، اور اسوقت اس ادب اور فارسی کی تخیل سے چھٹکارا بھی نہ تھا، لیکن حسن نے وہ بیڑی توڑی اور آزاد ہوکر اپنا رستہ الگ نکال لیا۔

یہہ حمد ظاہر ہے کہ ایک مسلمان اور پھر کسی خاص عقیدے کے پابندی طبیعت کا نتیجہ ہے لیکن انکا یہ بیان کسی خاص ملت و فرقہ سے مخصوص اور اُس میں محدود نہیں سمجھا جاسکتا۔ بلکہ یہہ معرفت دیر و حرم، دونوں جگہہ ایکطرح گونج سکتی ہے!

یہی وہ فطری و وہبی شاعری ہے جسے ارمزیست از پیغمبری، کا واجب و اعلیٰ خطاب ملا اور جسے حسن کس حسن سے ادا کر گئے، اور پھر ان کے خاندان میں میر انیس جیسے خاتم مانے گئے!!

خیال

برادرم مولوی مسعود علی صاحب بی۔اے ایل ایل بی (جالنہ) کے ہم ممنون ہیں کہ انھوں نے اودھ پنچ کی توسیع اشاعت میں اب پھر کوشش کرنی شروع کی ہے، اور انکے بھیجے ہوے پانچ ناموں میں سے تین کے پیسے بھی ہم کو وصول ہو چکے ہیں۔ دوسرے بھائیوں سے بھی ہم معاونت کی توقع رکھتے ہیں۔

<<<<<<<<<<<<

افاداتِ لبیب

از صاحبِ عالم حضرت لبیب دہلوی

سانس کی گرم روی کو تپشِ غم نہ سمجھ
دل کی فریاد و فغاں کو مرا ماتم نہ سمجھ

دیدۂ جاں کو رقیبِ رہِ اُلفت نہ بنا
گوشِ دل کو سخنِ یار کا محرم نہ سمجھ

آگ ہی آگ ہے لیکن ہمہ تن خاکستر
غیر پروانہ کسی کو مرا ہمدم نہ سمجھ

جس کا ہر گام محبت نہ ہو شرمندۂ عجز
ہو فرشتہ بھی تو اسکو بنِ آدم نہ سمجھ

سرِ حدِ روح سے بھی مرکبِ ہمت ہے پرے
نفس و حس کو کبھی عشاق کا عالم نہ سمجھ

سربسر جلوہ گہِ یار ہے سارا عالم
اِک فقط طور کے جلوے ہی کو عالم نہ سمجھ

مرضِ الموت کے پردے میں ہی پیغامِ وصال
اپنے مر مٹنے کو جی اُٹھنے سے کچھ کم نہ سمجھ

مرنہ جانے کیلئے دیدۂ خونبار ہے تنگ
یہ سرابِ رہِ الفت ہے اسے یم نہ سمجھ

عارضِ یار و دلِ ریش و خمِ مے کے سوا
ہر گلِ تازہ کو پروردۂ شبنم نہ سمجھ

حسنِ ظن شرطِ رہِ عشق ہے ہشیار لبیب
اسکو برہم بھی اگر پائے تو برہم نہ سمجھ

یوں ہی سی شکایت پر تم نہ یوں خفا ہوتے
اب بھی آشنا ہیں ہم تم تو آشنا ہوتے

عشق کے سوا ہم سے کام اور کیا ہوتا
تم پہ گر نہ مرجاتے کاہیکی دوا ہوتے

مر کے بھی نہ چھٹ سکتی آپ کی وفاداری
آپ کا پتا دیتے آپ بے پتا ہوتے

موج کیطرح ہم بھی رقص کرتے ساحل تک
راہ کوئے جاناں میں نقش رہ نما ہوتے

تیرے سرفروشوں میں ہم سے کون بڑھ سکتا
ہم تو خاکساری سے سب کی خاکپا ہوتے

ایک زخم سائل کو سخت جاں کیا سمجھے
زخم ایسے گوناگوں تن پہ جا بجا ہوتے

شرح سوزش پنہاں کسطرح بیاں ہوتی
دل سے جو دھویں اُٹھتے آہ نارسا ہوتے

جان و دل کے پھندوں سے آپ گر چھڑا دیتے
دیکھنا! یہہ دیوانے سب سے ماورا ہوتے

تم اگر نہ کر سکتے عاشقوں کی دلداری
اپنے دیدہ و دل میں آپ مبتلا ہوتے

حشر میں تہیدستی اپنی اقتضا یہہ ہے
ہم جہاں کہیں ہوتے مرد بے نوا ہوتے

چشم مست ساقی سے ہے لبیبؔ مجبوری
ورنہ آپ تو اچھے خاصے پارسا ہوتے

جامعہ علی گڑھ کی انجمن

لندن میں ضیافتی جلسہ

لندن ۲۶ مئی۔ سوائے ہوٹل لندن میں جامعہ ملیہ کی انجمن کا سالانہ ضیافتی جلسہ ہوا۔ سر محمد رفیق نے صدارت کی۔ مہاراجہ جزدوان نے صدر جامعہ کا جام صحت تجویز کیا۔ اور اس سلسلہ میں ہندوستان کے دو بڑے فرقوں یعنے ہندو مسلمانوں میں مفاہمت کی اپیل کی کیونکہ اسکے بغیر قومی ترقی کی شاہراہ نہیں کھل سکتی۔

اس کا جواب دیتے ہوئے صدر نشین نے کہا کہ علی گڑھ میں فرقہ وارانہ خیالات کی اشاعت نہیں ہے اور نہ وہ فرقہ وارانہ اصول کو ترجیح دیتا ہے انھوں نے سب سے درخواست کی کہ بانی جامعہ کی روایات کو برقرار رکھیں۔

مسٹر سر نیواس اینگار نے اپنی تقریر میں بیان کیا کہ ہندوستان میں فرقہ وارانہ مسائل دراصل صحیح اصولی تعلیم مسائل سے وابستہ ہیں انھوں نے سب سے درخواست کی کہ سیاسات سے مذہب کو الگ متفق رکھیں اور وہی اتحاد اپنے ملک میں پیدا کریں جو آج ہم ہندوستان سے باہر رہنے والی تو نیں ہیں۔ مخلوط انتخاب اس سلسلہ میں بہت سود مند ثابت ہونگے۔

مُسلم یونیورسٹی

مُسلمانانِ ہند نے آج سے کچھ اوپر پچاس برس قبل سر سیّد علیہ الرحمہ کی چیخ پکار کے سبب سے مغربی طرزِ تعلیم کی طرف کچھ توجہ کی اپنی کی جدّ و جہد او رانکے رُفقاء کی مدد سے اسقدر رقم بھی فراہم ہو گئی کہ جس سے علی گڑھ میں مسلمان نوجوانوں کی رہائش اور تعلیم کا انتظام ہوا۔ جناب جسٹس سیّد محمود کے علم او رایثار، نواب محسن الملک مرحوم کی جادو بیانی سے علی گڑھ مقبول عام ہوا۔ پھر نواب وقار الملک مغفور اور انکے رفقاء نے اپنی کوشش سے مدرسۃ العلوم کو اس قابل کر دیا کہ سر سیّد کی وہ تمنا کہ علی گڑھ یونیورسٹی کا درجہ حاصل کرے پوری ہو گئی۔ چنانچہ سن ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ کا مدرسۃ العلوم۔ علی گڑھ مُسلم یونیورسٹی بن گیا اور مسلمانانِ ہند کے نونہالوں کی اعلیٰ دماغی، جسمانی، روحانی تعلیم کا مرکز قائم ہو گیا۔ یہہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ اب علی گڑھ کا نظم و نسق ایسے ہاتھوں میں آگیا جو علی گڑھ ہی کی فضا میں رہ سہہ کر پلے بڑھے تھے۔ مسلمانانِ ہند کو ان سے بڑی بڑی توقعات تھیں۔ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب جو قابل ترین مسلمانوں میں شمار ہوتے ہیں تنظیم جدید کے وقت سے پرو وائس چانسلر رہے۔ وائس چانسلروں میں راجہ صاحب محمود آباد اور نواب سر مزمل اللہ خاں بہادر کے نام نامی کیساتھ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب کا نام بھی نظر آتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ راجہ صاحب محمود آباد اور نواب مزمل اللہ خاں صاحب سے رقمی امداد کے علاوہ یونیورسٹی کو کسی اور امداد ملنے کی توقع نہیں ہو سکتی لیکن صاحبزادہ آفتاب احمد

خاں صاحب ان دونوں کے برعکس تھے وہ علی گڑھ کے اولڈ بوائے تھے۔ سر سید، سید محمود، نواب محسن الملک، نواب وقار الملک جیسی زبردست ہستیوں سے بالواسطہ یا بلا واسطہ تعلق رکھتے تھے۔ علی گڑھ کے مختلف فضاؤں سے روشناس تھے۔ یورپ کی نہ صرف اعلیٰ تعلیم پا چکے بلکہ عملی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد پھر یورپ کو دیکھ بھال کر واپس ہوئے تھے۔ چنانچہ جب صاحبزادہ صاحب وائس چانسلر ہوئے تو یہ امر تعجب خیز نہیں ہے کہ عام طور پر خیال ہوا کہ مسلم یونیورسٹی کی اب قسمت جاگی ہے کہ اس کا وائس چانسلر یورپ کا تعلیم یافتہ اور اولڈ بوائے ہے اس کا پرو وائس چانسلر اور پرنسپل بھی یورپ کا تعلیم یافتہ اور اولڈ بوائے ہے۔ اس قابلیت اور روایات کے اشخاص کے ہاتھ میں جب علی گڑھ کی باگ رہی تو تھوڑے ہی عرصہ میں کچھ دوسرا ہی رنگ دکھائی دینے لگا۔ بجائے اس کے کہ یہ دونوں مل جل کر مسلمانوں کی ناؤ کو صحیح راستہ پر چلاتے آپس میں ایسے اُلجھنے لگے کہ بادِ مخالف کو اپنا کام کرنے کا موقع مل گیا۔ وہ کشتی جس کو مسلمانوں نے اپنا خون سینچ کر تیار کیا تھا۔ موجوں کے تھپیڑوں سے صحیح راستہ سے بھٹک گئی۔ اس افسوسناک حالت کے اظہار سے ہمارا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ صاحبزادہ صاحب کی صداقت یا ڈاکٹر صاحب کی قابلیت کو مشتبہ ٹھہرائیں۔ ہم صرف نتیجہ پر نظر رکھتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ صاحبزادہ صاحب اور ڈاکٹر صاحب کی دوعملی سے علی گڑھ یونیورسٹی اور وہاں کے فارغ التحصیل اشخاص کے متعلق ایسی ایسی تشویش ناک افواہیں پھیلیں اور اس کے گھر گھر چرچے ہوئے کہ جناب بیگم صاحبہ بھوپال وام اقبالہا مجبور ہوئیں کہ حکومت ہند کی مدد لیکر اصلی حالات کا انکشاف کریں۔ رحمت اللہ کی تحقیقاتی کمیٹی جس کے دو اراکین اس زمانہ میں جبکہ سوراج کے واسطے ہر طرف سے صدائیں بلند ہو رہی ہیں انگریز تھے اور وہ بھی کیسے انگریز جو حکومت ہند کی ملازمت میں ہیں۔ اس کمیٹی کے صدر بیشک سر ابراہیم رحمت اللہ تھے لیکن اہل فہم کیلئے یہ امر قابل غور ہے کہ وہی علی گڑھ جہاں نصف صدی سے جدید تعلیم جاری ہے ایک شخص بھی ایسا نہ پیش کر سکا جو اپنی ذاتی قابلیت اور آزاد خیالی و مستقل مزاجی کے سبب سے اپنی یونیورسٹی کی تحقیقاتی کمیٹی میں جگہ پاتا۔ تاہم یہ امر باعث امتنان ہے کہ رحمت اللہ تحقیقاتی کمیٹی نے نہایت آزادی کے ساتھ علی گڑھ کی

موجودہ حالت کو ظاہر کر دیا۔ اس نے صاف صاف یہہ بتلا دیا کہ علی گڑھ میں تعلیمی فضا مفقود ہو گئی ہے علی گڑھ یونیورسٹی کے پروفیسر تعلیم دینے کے بجائے فرقہ بندی میں مصروف ہیں اور ہندوستان کی سیاسی زندگی میں نام حاصل کرنے کے جویاں ہیں۔ لڑکے حصول تعلیم کے بجائے اپنے اپنے پروفیسرں کے واسطے ووٹ فراہم کرنے میں سرگرداں رہتے ہیں۔ یونیورسٹی کے قواعد وضوابط برائے نام ہیں حد یہ ہے کہ پروفیسران فرقہ بندی کے لحاظ سے خدمت اور ترقی پاتے ہیں اور لڑکے ذاتی سعی کی بجائے پروفیسروں کی مہربانیوں سے فارغ التحصیل ہوتے ہیں۔ علی گڑھ کے گریجویٹ ایسے نکمے ہونے لگے ہیں کہ انکو عہدہ داران متعلقہ خدمت دینے میں پس و پیش کرتے ہیں۔ علی گڑھ کی روایات کا خاتمہ ہو گیا ہے اور اگر اصلاح کی جلد کوشش نہ کی گئی تو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے جسقدر بھی امیدیں ہیں اس پر پانی پھر جائے گا۔

رحمت اللہ کی تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ نے مسلمانان ہند کی تعلیمی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا ہے اور اب نہ صرف ان لوگوں کا جنہوں نے علی گڑھ میں تعلیم پائی ہے بلکہ تمام مسلمانان ہند کا فرض ہے کہ اپنے ذاتی خیالات کو پس پشت ڈالکر علی گڑھ کو سرسیّد مرحوم کے خیال کے مطابق علی گڑھ بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہمارا خیال ہے کہ علی گڑھ کا آوا اسی روز بگڑا جب سے کہ علی گڑھ ایسے اشخاص کی رہبری سے محروم ہو گیا جو ذاتی قابلیت اور علی گڑھ کی محبت کے علاوہ انتظامی امور کا تجربہ رکھتے تھے۔ سرسیّد مرحوم اور سید محمود مرحوم کے جیسے غیر معمولی اشخاص کے بعد علی گڑھ کا عروج انہی لوگوں کی بدولت ہوا جنہوں نے ریاست حیدرآباد میں بڑی بڑی خدمتوں پر پہونچکر انتظامی کام کا تجربہ حاصل کیا تھا۔ ہماری قطعی رائے ہے کہ اصلاح علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے واسطے خصوصًا ایسے نازک وقت میں ہم کو ایسے شخص کی تلاش کرنی چاہیے جو قابل ہو۔ علی گڑھ کی روایات سے واقف ہو لیکن موجودہ فرقہ بندی سے بے تعلق ہو۔ ہر قسم کے خیال کے مسلمانوں میں باوقعت ہو اور حکومت ہند میں بھی بارسوخ ہو۔ انتظامی تجربہ رکھتا ہو۔ فکر معاش سے بے فکر ہو۔

راقم خیر طلب

میں راولپنڈی میں

برادرم۔ السّلام علیکم۔ لاہور سے عریضہ ارسال کرتے ہوئے وعدہ کیا تھا کہ اولڈ بوائے کا وی۔ پی منگوانے کے لئے اپنے پتہ سے مطلع کرونگا۔ اسوقت تک مجھے خود علم نہ تھا کہ کس تاریخ میں میں کہاں ہونگا۔ اب اس کا صحیح اندازہ کرسکتا ہوں۔ اب براہِ کرم وی۔ پی میرے وطن کے پتہ پر روانہ فرمائیں۔ عید الضحیٰ سے قبل وہاں پہنچ جاؤنگا اسلئے ۲۹ یا ۳۰ مئی کو وی پی وہاں ملجائے جسکے لئے اگر ۲۵ مئی کو حیدرآباد سے روانہ کیا گیا تو مناسب وقت ہوگا۔ میرا پتہ

پٹیالی۔ ضلع ایٹہ

آپ کہیں گے کہ یہہ کون دہقانی ہے جو ایسے غیر معروف مقام میں رہتا ہے۔ اپنے کو اولڈ بوائے سمجھتا ہے اور وہاں وی۔ پی منگواتا ہے۔ خدانخواستہ اگر یہہ خیال آپکے دلمیں گذرا تو آپکا دل یہانتک پڑھنے کے بعد خود آپ سے کہے گا کہ اڈیٹر صاحب آپ مشاہیر ہند کی تاریخی واقعات سے ناواقف ہیں اور یہہ آپکی سخت شکست ہوگی۔ مجھے لکھتے ہوئے اسکا اندیشہ ہورہا ہے۔ پٹیالی واقعی غیر معروف ہے مگر حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش کا مقام ہے۔ بلاد فارس سے ہند پہنچکر امیر خسرو مرحوم مغفور کے والد ماجد نے بلبن کے زمانہ میں یہیں سکونت اختیار کی تھی۔

ابتو آپ مرعوب ہوئے ہونگے۔ طالب علمی کے زمانہ کا اسکے متعلق ایک واقعہ یاد آگیا۔ نواب اسحٰق خاں صاحب مرحوم مغفور حضرت امیر خسرو کے بڑے عاشق تھے اور حیات خسرو نہایت اہتمام کے ساتھ میرے ایک ہم ضلع سے تیار کرا رہے تھے۔

نواب صاحب میرے والد ماجد مرحوم کے دیرینہ دوست تھے۔ میں اکثر خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اگر تنہا ہوتے تو ہمیشہ خطاب کرتے کہ آؤ حضرت امیر خسرو کے ہموطن" اور میں نے بھی ایک مرتبہ ادب سے عرض کیا کہ سرکار اس قصبہ میں پانچسو سال میں ایک بڑا شخص پیدا ہوتا ہے تو خود اس کی ہنسکر تشریح فرمادی کہ ٹھیک ہے پہلے پانچسو سال میں حضرت خسرو گذرے اور اب تم ہو اور چونکہ میرا اپنا خیال بھی یہی تھا اسلئے خاموشی سے عرض کردیا کہ "جی حضور نگاہیں مجھ پر ہی پڑتی ہیں"

کہیے۔ بھائی صاحب اگر مرعوب ہونے میں کسر رہ گئی تھی تو وہ پوری ہوگئی خیر یہ تو آپکی دلچسپی کیلئے تھا اب آمدم برسر مطلب۔ معذرت خواہ ہوں کہ میں پیشہ ور مضمون نگار نہ ہونے کی وجہہ سے اپنے مدعا کو طول دیدیتا ہوں پیشہ ور وہی نہیں ہوتے جو اخبار کے اڈیٹر ہوتے ہیں یا مضمون نگاری کو اپنا ذریعہ معاش بناتے ہیں اور وہ لوگ اچھے بھی ہوتے ہیں کیونکہ اسکے اہل ہوتے ہیں مگر مخدوش پیشہ ور وہ ہوتے ہیں جن کو مضمون نگاری کا خبط ہوتا ہے اور اسکے اہل نہیں ہوتے۔ الحمدللہ۔ مجھے خبط تو نہیں ہے اور اہلیت کا دعوی اسلئے نہیں ہے کہ دماغ کا توازن ابتک درست ہے۔ اسقدر لکھنے کے بعد خیال آیا کہ توازن ضرور کہیں سے بگڑا ہوا ہے۔ لکھنے کیا بیٹھے تھے اور لکھ کیا رہے ہو۔

تو مدعا یہہ ہے کہ یونیورسٹی اب ایک نئے دور سے گذر رہی ہے اور اخبارات میں اسکے مستقبل کے متعلق علی گڑھ سے دلچسپی لینے والے حضرات نے اپنی رائے کا اظہار بھی کردیا ہے جس روز مجھے یہہ معلوم ہوا تھا کہ رپورٹ تیار ہوگئی اور علی گڑھ پہنچ گئی ہے اور ڈاکٹر صاحب کو مستعفی ہونا پڑا تو اسی روز میں نے اپنے ایک عزیز دوست کو لکھا تھا جنسے میں ہر معاملہ میں تبادلہ خیالات کیا کرتا ہوں کہ اب کونسا وقت موزوں ہوگا جب ہمارے لایق و فایق اور ہر دلعزیز بھائی سید راس مسعود صاحب اس میراث پدر کو آکر سنبھالیں گے۔ اس خط میں بھی میں نے یہی لکھا تھا کہ علی گڑھ میراث پدر وجد تو ہے ہی مگر اتنا تو کوئی شخص یہہ نہیں کہہ سکتا کہ علم پدر میں کسی قسم کی کمی ہے۔

مسٹر راس مسعود کی علمی اور انتظامی قابلیت کی تعریف خلاف محل ہے کیونکہ ہر وہ شخص جسکا تحریک علی گڑھ سے تعلق ہے انکے ان خداداد قابلیتوں کا معترف ہے۔

سوال صرف یہہ ہے کہ وہ کب علی گڑھ آکر اس ذمہ داری کو اپنے ہاتھ میں لیں کمیٹی کی سفارش ہے کہ ایک خاص افسر تین سال کیلئے مقرر کیا جائے جو یونیورسٹی کے نظام کو مرتب کرے اور جو اس میں خامیاں ہیں انکو دور کرے اور وہ اس عہدہ پر تین سال تک مامور ہے اور دوبارہ وہ کسی عہدہ کیلئے منتخب نہ کیا جائے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اولڈ بوائے ایک بہترین آلہ ہے جسکے ذریعہ سے میں اپنے خیالات کارکنان یونیورسٹی و ممبران کورٹ تک پہنچانا چاہتا ہوں۔

چونکہ میں علی گڑھ اکثر جاتا رہتا ہوں اور اساتذہ و طلبا سے ملتا رہتا ہوں اسلئے ایک حد تک حالات سے واقف بھی ہوں تحقیقاتی کمیٹی کے دوران میں وہاں کچھ عرصہ تک موجود تھا۔

مسلم یونیورسٹی میں بہت زیادہ خرابیاں نہیں ہیں جیسا کہ اخباروں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے مگر جو خرابیاں ہیں وہ ایسی ہیں کہ انکا احاطہ اثر مختلف شعبوں پر جاگزیں ہے۔ بنیادی خرابی میری رائے میں یوں ہوی کہ ڈاکٹر ضیاالدین صاحب نے اپنا اقتدار قائم کرنے کے لئے ہر شعبہ میں اپنے دوستوں کو یا کالج کی اصطلاح میں "بٹھئوں" کو ترقیاں دینا اور تقرر کرنا شروع کیا۔ اور ایسا کرنے میں انھوں نے کبھی اسکا خیال نہیں کیا کہ آیا جس شخص کا وہ تقرر کر رہے ہیں وہ اس کام کا اہل ہے یا نہیں۔ ممبران کورٹ کے انتخاب کے وقت بھی یہہ اصول پیش نگاہ رہتا تھا جس کا لازمی نتیجہ یہہ ہوا کہ تیسرے درجہ کے لوگ ہر شعبہ میں داخل ہوگئے۔ ڈاکٹر صاحب کو ایسے لوگوں کی ضرورت اسلئے تھی کہ وہ انکے اشارے پر چلیں اور یہہ انکے حواریں ایسا کرتے بھی تھے بلکہ انکی تعریف کا پروپگنڈا کرنے کا حق رفاقت ابتک ادا کر رہے ہیں۔ فریق بندی غالباً ڈاکٹر صاحب کی عادت ثانیہ ہوگئی تھی بدنیتی سے نہ تھی۔ وہ ایسا کرنے پر مجبور تھے۔ بہرحال اسکا نتیجہ جو نکلا وہ سب کے سامنے ہے۔ اسلئے اب اگر علی گڑھ کو درست کرنا ہے تو جس شخص کے سپرد یہہ خدمت ہوگی اسکے سامنے سب سے سخت کام یہہ ہوگا کہ آپ نے نااہل لوگوں کو وہاں سے علیحدہ کرے جو فریق بندی کے تحت میں مقرر کئے گئے تھے اور جنکی "بازار میں قیمت" ڈیڑھ سو دو سو سے زیادہ نہ تھی۔ میں شاعری نہیں کر رہا ہوں بلکہ اسکے مثالیں پیش کر سکتا ہوں۔ ڈاکٹر ملک

عمر حیات جب یورپ سے واپس آئے تو سیدھے علی گڑھ پہنچے اور مطمئن تھے کہ وہاں ان کو جگہہ ملے گی مگر ناکامیاب واپس ہوآئے اور ریاضی کے شعبہ میں جگہہ ایک تیسرے درجہ کے ایم۔ اے ہندو صاحب کو دیگئی۔ ڈاکٹر ملک نے الہ آباد یونیورسٹی سے علی گڑھ کے طالب علم ہوکر ایم۔ اے ریاضی میں کیا۔ یورپ گئے اور کیمبرج سے ایم۔ اے کیا۔ جرمن سے پی۔ ایچ۔ ڈی میں فرسٹ کلاس ڈگری لی حالانکہ انکے استاد ڈاکٹر ضیاءالدین سیکنڈ کلاس ڈگری وہیں سے لائے تھے۔ مگر ڈاکٹر ملک کو جگہ نہ ملی۔ صرف اسلئے کہ وہ آزادرائے رکھنے والے تھے۔ فزکس میں کیمبرج یا اکسفورڈ سے فرسٹ کلاس ڈگری لائے تھے جو شاید ابتک کوئی ہندوستانی نہیں لایا تھا اور علی گڑھ سے محروم ہوکر لاہور کے اسلامیہ کالج میں جگہ ملی حالانکہ علی گڑھ میں اس مضمون کا کوئی پروفیسر ابتک مقرر نہیں ہوا ہے اور جگہ خالی ہے۔

بہرحال یہہ واقعات اپنے بیان کی تائید میں لکھنے پڑے۔ سوال یہہ ہے کہ اس خس و خاشاک کو کون صاف کرے۔

میری رائے میں تو کمیٹی کی رائے کو اس حد تک منظور کرنا چاہیے کہ ایک خاص افسر ایک سال کے لئے مقرر کیا جائے جو نااہل لوگوں کو چلتا کرے اور دوسرے نقائص کو بھی دور کرے۔ اور سال بھر کے بعد مسٹر راس مسعود صاحب بحیثیت پرو وائس چانسلر مقرر ہوں اور چند سال اس عہدہ پر کام کرکے جب موزوں شخص اس کام کا ل جائے تو وائس چانسلر بنیں اور علی گڑھ کو پروان چڑھائیں۔ ہم یہہ نہیں چاہتے کہ وہ اس فریق بندی کے جھگڑے میں ڈالدیئے جائیں جس سے وہ ہزار ہا میل دور ہیں۔ جس کو وہ علٰحدہ کریں گے وہ یہی کہے گا کہ چونکہ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب مجھ سے ناخوش تھے اسلئے مسعود صاحب نے مجھے نکال دیا۔ جب کبھی بھی وہ علی گڑھ آئیں گے اب یا کچھ دیر بعد وہ اس قسم کی حرکات سے بالاتر رہیں گے مگر اہل غرض کسی کو بدنام کئے بغیر نہیں رہتے۔ نیز وہ سفر کو جارہے ہیں اسوقت تک وہاں سے بھی واپس آجائینگے۔ چونکہ مضمون طول ہوگیا ہے اسلئے ختم کرتا ہوں اور اس طوالت کی معافی کا خواہاں۔ آپکو تعجب تو نہوگا اگر جولائی میں آپ سے حیدرآباد میں ملاقات ہو۔

آپکا بھائی **اشفاق علی** از راولپنڈی

اشخاص ڈراما

ارل آف کیورشیم

وسکونٹ گورنگ ۔ اُس کا بیٹا

سر رابرٹ چلٹرن ۔ نائب معتمد وزیرِ خارجہ

نانجاک ۔ لنڈن میں فرانسیسی سفارت خانہ کا ایلچی

مسٹر مانٹ فورڈ

میسن ۔ رابرٹ چلٹرن کا بٹلر

فِپس ۔ گورنگ کا ملازم

جیمس } ہرکارے
ہیرلڈ

لیڈی چلٹرن

لیڈی مارکبی

کونٹس آف بیاسلاڈن

مسز مارچ مانٹ

مِس میبل چلٹرن ۔ چلٹرن کی بہن

مسز شیویلی

<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<

مثالی شوہر

اسکر وائلڈ کے ایڈیل ہسبنڈ کا ترجمہ

از

محمد نذیر الدین ایم اے

پہلا ایکٹ

سین

رابرٹ چلٹرن کے مکان کا ہشت پہلو کمرہ

کمرہ خوب روشن اور مہمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہے۔ زینہ پر لیڈی چلٹرن کھڑی دعوتیوں کا استقبال کر رہی ہے۔ زینہ پر کی کمان میں ایک بہت بڑا بلورین جھاڑ لٹک رہا ہے جو موم بتیوں کی روشنی سے جگ مگ کر رہا ہے۔ اسکی روشنی دیوار پر لٹکے ہوئے ایک پردے پر پڑ رہی ہے جس میں "محبت کی فتح" کے منظر کو نہایت خوش اسلوبی سے پیش کیا گیا ہے۔ داہنی جانب کمرہ موسیقی کا راستہ ہے جہاں سے پیانو کی سُریلی مگر دھیمی آواز آ رہی ہے۔

میسن:۔ [مہمانوں کی آمد کا اعلان زینہ پر سے کرتے ہوئے]

مسٹر اور لیڈی جین بارفورڈ۔ لارڈ کیورشہم

(لارڈ کیورشہم ستر سال کا بوڑھا مگر مضبوط کاٹھی کا شخص ہے)

لارڈ کیور شیم۔ لیڈی چلٹرن! آداب عرض ہے۔ میرا ناکارہ لڑکا یہاں ہو تو نہیں گیا؟
لیڈی چلٹرن:۔ (مسکراتے ہوئے) لارڈ گورنگ شاید ابھی نہیں آئے۔
میبل چلٹرن:۔ (لارڈ کیور شیم کے قریب آکر) لارڈ گورنگ کو آپ کیوں ناکارہ فرماتے ہیں!

[میبل چلٹرن انگریزی طرز کے حسن کا ایک مکمل نمونہ ہے جو نگترے کی نوشگفتہ کلی کی شان لیے ہوئے ہے۔ اس میں پھول جیسی نکہت اور نکہت جیسی آزادی پائی جاتی ہے اسکے کھلے ہوئے بال ہوا سے ہل ہل کر سنہری موجوں کا سماں پیش نظر کر دیتے ہیں۔ اسکی ہر ادا میں لطیف طلسم کا راز نہاں ہے اور معصومیت کی حیرت۔ فرط جرأت اسکی رگ و ریشہ میں جاری و ساری ہے۔ اسکا چھوٹا سا منہ کسی کے جواب کے انتظار میں نیم وا ہے]

لارڈ کیور شیم:۔ اسلئے کہ وہ اپنی زندگی بیکاری میں صرف کرتا ہے۔
میبل چلٹرن:۔ آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟ جو شخص شفق پھوٹتے ہی اسپ سبک رفتار پر تفریح کرنے نکلے ہفتہ میں تین بار رقص و سرود سے لطف اٹھائے دن میں کوئی پانچ دفعہ کپڑے بدلے اور رات رات بھر ضیافتوں میں مصروف رہے اسکو بیکار کہا جائے حیرت ہے۔
لارڈ کیور شیم:۔ (مسکرا کر اور آنکھوں میں آنکھیں ملا کر) تم تو بہت جادو بیان معلوم ہوتی ہو اور اسکے ساتھ نہایت حسین بھی۔
میبل چلٹرن:۔ شکریہ۔ کبھی کبھی تو آیا کیجئے۔ آپ جانتے ہیں بدھ کا دن ہم گھر پر ہی گذارا کرتے ہیں۔
لارڈ کیور شیم:۔ آجکل کہیں نہیں جاتا۔ لندن کی سوسائٹی سے بیزار ہوں۔
میبل چلٹرن:۔ خوب! میں تو لندن کی سوسائٹی کو بہت عزیز رکھتی ہوں۔ میرے خیال میں اسمیں بہت کچھ اصلاح ہو چکی ہے کیونکہ اب یہ بالکل خوشنما احمقوں اور بذلہ گو پاگلوں پر مشتمل ہے۔ سوسائٹی کی روح رواں یہی افراد ہیں۔
لارڈ کیور شیم:۔ یہ بھی خوب! اچھا گورنگ کیا ہے خوشنما احمق یا ....
میبل چلٹرن:۔ (متانت سے) میں لارڈ گورنگ کو فی الحال ایک بالکل جداگانہ گروہ میں شامل کرنے پر مجبور ہوں لیکن بہرحال وہ بہت جلد اپنی حالت بدل دیں گے۔

لارڈ کیور شیم :۔ کسطرح !

میبل چلٹرن :۔ [اوباذرا جھک کر] لارڈ کیور شیم! اس سے آپ عنقریب واقف ہوگئے۔

میسن :۔ [مہمانوں کی آمد کا اعلان کرتے ہوئے] لیڈی مارکبی۔ مسز شیویلی۔

[لیڈی مارکبی اور مسز شیویلی داخل ہوتی ہیں۔ لیڈی مارکبی خوش اخلاق کریم النفس معزز عورت ہے۔ مسز شیویلی جو اسکے ساتھ ہے بلند قامت اور کچھ دبلی ہے۔ ہونٹ بہت پتلے ہیں جو بہت گہرے رنگ سے رنگے گئے ہیں۔ زردی مائل چہرہ پر گویا سُرخ رنگ کی ایک لکیر ہے۔ بالوں میں سرخی جھلکتی ہے۔ ناک عقابی اور گردن قدرے دراز ہے۔ سبزی مائل بھوری آنکھیں چین سے نہیں رہتیں۔ سرخ رنگ کا غازہ چہرہ کی فطری زردی کو ظاہر ہونے نہیں دیتا۔۔۔۔ اپنی تمام حرکات وسکنات میں وہ بے انتہا بھلی معلوم ہوتی ہے بحیثیت مجموعی وہ آرٹ کا شہ پارہ ہے جس میں مختلف لفریبیاں جلوہ گر ہیں۔]

لیڈی مارکبی :۔ پیاری گرٹروڈ! تسلیم۔ میں ممنون ہوں آپ نے مسز شیویلی کو ساتھ لانے کی اجازت دی۔ دو ایسی خوبصورت عورتیں کسطرح ایک دوسرے سے ناآشنا رہ سکتی ہیں

لیڈی چلٹرن :۔ [مسکراتے ہوئے مسز شیویلی کیطرف بڑھتی ہے لیکن یکایک رک کر دور سے ہی سلام لیتی ہے] خیال پڑتا ہے کہ مسز شیویلی اور میں اس سے پہلے مل چکے ہیں۔ میں نہیں جانتی تھی کہ مسز شیویلی نے دوسری شادی رچائی ہے۔

لیڈی مارکبی :۔ [خوش مزاجی سے] آجکل جتنی دفعہ شادی کرنے کا موقع ملے لوگ شادی کر لیتے ہیں۔ (ڈچس آف ماربرو سے) پیاری ڈچس ڈیوک کا کیا حال ہے۔ دماغ ابھی کمزور ہے! خیر۔ اسکی تو امید ہی تھی۔ انکے والد کا بھی یہی حال تھا۔ نسلی امراض کا کیا علاج!

مسز شیویلی ۔ (اپنے پنکھے سے کھیلتے ہوئے) لیڈی چلٹرن! کیا درحقیقت ہم اس سے پہلے مل چکے ہیں

مجھے یاد نہیں کہ کہاں۔ میں مدت سے انگلستان کے باہر تھی)۔

لیڈی چلٹرن:۔ مسز شیویلی! مدرسہ میں ہم دو نو ساتھ رہے ہیں۔

مسز شیویلی:۔ [تکبرانہ انداز میں] اچھا! میں نے تو مدرسہ کی زندگی کو بالکل بھلا دیا۔ دھندلا سا خیال ہے کہ اس زمانہ کو حقارت سے دیکھا کرتی تھی۔

لیڈی چلٹرن:۔ کیا تعجب!۔

مسز شیویلی:۔ از رہ لطیف پیرایہ میں] لیڈی چلٹرن! کیا آپ جانتی ہیں کہ آپ کے شوہر سے ملنے کی آرزومند ہوں جب سے وہ وفرِ خارجہ میں ہیں ویانا میں (Vienna) انکی شہرت بڑھ رہی ہے۔ اخباروں میں لوگ انکا نام صحیح لکھنے لگے ہیں جو خود اس بات کی دلیل ہے کہ انکی شہرت خاصی ہو چکی ہے۔

لیڈی چلٹرن:۔ میں نہیں سمجھتی کہ آپ میں اور ان میں کوئی چیز مشترک ہو سکتی ہے۔

[چلی جاتی ہے]

نان جیاک:۔ اوہو! مسز شیویلی! آپ یہاں کیسے؟ برلن کی ملاقات کے بعد سے اب کہیں اس چاند پر نظر پڑی۔

مسز شیویلی:۔ بالکل درست۔ پانچ سال قبل۔

نان جیاک:۔ اور آپ چشم بد دور پہلے سے زیادہ کمسن اور حسین معلوم ہوتی ہیں۔ کیا بات ہے کہ آپ کا حسن حسن روزافزوں ہے۔

مسز شیویلی:۔ بات یہ ہے کہ میں صرف تم جیسے حسین افراد سے ہمکلام ہوتی ہوں۔

نان جیاک:۔ اچھا تو ہم بھی ہیں پانچوں سواروں میں!

[سر رابرٹ چلٹرن داخل ہوتا ہے عمر چالیس سال لیکن کم عمر معلوم ہوتا ہے۔ داڑھی مونچھ چٹ جسم سڈول ہے۔ بال اور آنکھیں سیاہ ہیں۔ اہم شخصیت لیکن غیر متعارف جیسا کہ اکثر ہوا کرتا ہے۔ نہایت معزز و مہذب۔ اسکی حرکات و سکنات سے

ایک خاص وقار نمایاں ہے جس میں غرور کی جھلک پائی جاتی ہے۔ لوگ اس کے انداز سے محسوس کرتے ہیں کہ اس کو اپنی کامیابی کا احساس ہے۔ متلون مزاج۔ منہ چھوٹا اور تھوڑی ذرا نوکدار آنکھیں اندر گھسی ہوئیں مگر نشیلی۔ چہرہ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جذبہ (Passion) اور عقل (Intallect) دونوں میں انتہائی فصل ہے ایک کا اثر دوسرے پر نہیں پڑتا گویا کہ قوت ارادی کے کسی نامعلوم اثر عمل سے تخیل اور جذبہ کو بالکل جدا کر دیا گیا ہے۔ ہاتھوں میں قدرے رعشہ ہے۔ خوبصورت کہنا غیر صحیح ہوگا لیکن قبول صورت ضرور کہا جا سکتا ہے۔]

سر رابرٹ چلٹرن:۔ لیڈی مارکبی! آداب عرض ہے۔ میرے خیال میں سر جان کو آپ اپنے ساتھ لیتی آئی ہیں۔

لیڈی مارکبی:۔ جی نہیں۔ سر جان سے زیادہ جاذب ہستی میرے ساتھ ہے۔ اُنکا مزاج جب سے وہ سیاسیات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں ناقابل برداشت ہوگیا ہے۔ فی الحقیقت جب سے دار العوام سودمند ہونیکی طرف کوشاں ہے اس سے بہت کچھ نقصان پہنچ رہا ہے۔

چلٹرن:۔ معاف کیجیے ایسا نہیں ہے۔ اچھا یہ تو فرمائیے کہ وہ کون صاحب ہیں جن کو یہاں لاکر آپ نے ہمیں ممنون فرمایا۔

لیڈی مارکبی:۔ انکا نام مسز شیویلی ہے! شاید ڈورسٹ شائر شیویلز خاندان سے ہیں لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ میں ناواقف ہوں۔ فی زمانہ خاندانوں میں اسقدر آمیزش ہو چکی ہے کہ کسی شخص کو ہم سمجھتے ہیں کچھ اور وہ نکلتا ہے کچھ اور۔

چلٹرن:۔ مسز شیویلی!! یاد پڑتا ہے کہ میں اس نام سے واقف ہوں۔

لیڈی مارکبی:۔ وہ حال ہی میں ویانا سے تشریف لائے ہیں۔

چلٹرن:۔ ہاں ٹھیک ہے۔ میں سمجھ گیا وہ کون ہیں۔

لیڈی مارکبی :۔ لیجیے میں آپ سے ملائے دیتی ہوں (مسز شیویلی سے) ملئے ڈیر، سر رابرٹ چلٹرن تو اشتیاق دید میں مرے جاتے ہیں۔

چلٹرن :۔ (سلام کرتے ہوئے) ایں کیا ہر شخص مسز شیویلی پر مرتا ہے۔ دنیا میں جو ہمارے سفیر ہیں وہ تو سوائے انکے کچھ لکھتے ہی نہیں۔

مسز شیویلی :۔ شکریہ، سر رابرٹ، اشناسائی جب تعریف و توصیف سے شروع ہوتی ہے تو یقیناً اسکا نتیجہ سچی دوستی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسکی ابتدا کا یہی ٹھیک راستہ ہے مجھے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ لیڈی چلٹرن کو میں پہلے سے جانتی ہوں۔

چلٹرن :۔ فی الحقیقت!

مسز شیویلی :۔ جی ہاں۔ انھوں نے مجھے ابھی یاد دلایا کہ ہم دونوں مدرسہ میں ساتھ تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ انکو ہمیشہ نیک چلنی کا انعام ملا کرتا تھا۔

چلٹرن :۔ (مسکراتے ہوئے) اور آپ نے کونسے انعامات حاصل کئے۔

مسز شیویلی :۔ مجھے تو تعلیمی زمانہ کے بعد انعامات ملا۔ اور شاید ان میں سے کوئی بھی نیک چلنی کا نہ تھا۔ مجھے کچھ بہت یاد نہیں۔

چلٹرن :۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کسی خاص دلفریب چیز سے متعلق ہونگے۔

مسز شیویلی :۔ میں نہیں جانتی کہ آیا عورتوں کو ہمیشہ اپنی دلکشی و خوبروی کا صلہ ملا کرتا ہے میں سمجھتی ہوں کہ اکثر انکو اسکا خمیازہ اٹھانا پڑتا ہے حقیقت حال یہ ہے کہ آجکل نسوانی حسن کو اسکے پرستاروں کی وفاشعاری سے جسقدر نقصان پہنچتا ہے اسقدر کسی اور چیز سے نہیں۔ ورنہ کیا بات ہے کہ لندن کی تقریباً تمام حسین عورتوں کے چہروں پر مردنی سی چھائی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

چلٹرن :۔ کسقدر ہمت شکن فلسفہ آپ بیان کر رہی ہیں۔ آپکو مسز شیویلی کسی گروہ میں شامل کرنیکی کوشش کرنا بے ادبی میں داخل ہوگا۔ لیکن کیا میں آپ سے یہہ دریافت

کرسکتا ہوں کہ آیا آپ درحقیقت رجائی (Optimistic) ہیں یا قنوطی (Pessimistic) فی زمانہ تو صرف یہی دو مذہب رکھتے ہیں۔

مسز شیویلی :۔ میں کچھ بھی نہیں۔ رجائیت کی ابتدا زہرخند سے اور قنوطیت کی انتہا نیلی عینک پر ہوا کرتی ہے اور سچی بات تو یہہ ہے کہ یہہ سب دکھاوے ہیں۔

چلٹرن :۔ گویا آپ فطرت کے موافق زندگی پسند کرتی ہیں۔

مسز شیویلی :۔ ہاں بعض اوقات۔ لیکن یہہ اسقدر مشکل کام ہے کہ اسکا نبھانا ممکن نہیں۔

چلٹرن :۔ تو پھر علمائے نفسیات جن کا اسقدر چرچا ہے اس نظریہ کو کیا کہیں گے۔

مسز شیویلی :۔ عورتوں کی قوت اس حقیقت میں مضمر ہے کہ نفسیات انکی تفسیر سے عاجز ہے۔ مردوں کو تحلیل کیا جاسکتا ہے لیکن عورتیں ...... صرف پرستش کیجاسکتی ہیں۔

چلٹرن :۔ کیا آپ کا یہہ خیال ہے کہ سائنس عورتوں کے سمہ کو حل نہیں کرسکتی؟

مسز شیویلی :۔ سائنس غیر ظاہر کی تشریح سے قاصر ہے یہی وجہہ ہے کہ اس دنیا میں اس علم کا مستقبل بھی تاریک ہے۔

چلٹرن :۔ گویا عورتیں غیر ظاہر کو تعبیر کرتی ہیں۔

مسز شیویلی :۔ ہاں خوش پوش عورتیں۔

چلٹرن :۔ (ذرا جھک کر) معاف کیجیے کہ یہاں مجھے آپ سے اختلاف ہے لیکن ذرا بیٹھ جایئے اور فرمایئے کہ وہ کونسی چیز ہے جس نے آپکو اپنے پررونق شہر ویانا کو چھوڑ کر ہمارے غمکدہ لندن تک زحمت فرمائی پر مجبور کیا یا یہ سوال بیکار تو نہیں؟

مسز شیویلی :۔ سوالات کبھی بیکار نہیں ہوتے۔ ہاں جوابات بعض اوقات ہوا کرتے ہیں۔

چلٹرن :۔ خیر۔ بہرصورت کیا میں یہہ جان سکتا ہوں کہ غرض سیاسیات سے ہے یا صرف تفریح۔

مسز شیویلی :۔ سیاسیات ہی صرف میری تفریح ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ آجکل چوچلے یا ناز نخرے کرنا تہذیب میں داخل نہیں جب تک کہ چالیس (۴۰) کی عمر نہ ہوجائے اسطرح ہم غریب

عورتوں کو جو تیس کے اندر ہیں سوائے سیاسیات اور امور رفاہ عام کے اور کیا رہجاتا ہے۔ اور امور رفاہ عام میرے خیال میں صرف اُن لوگوں کا شیوہ ہے۔ جو اپنے دوست اقربا کو ایذا رسانی کے خواہشمند ہوں۔ میں سیاسیات کو ترجیح دیتی ہوں۔ میرے اپنے خیال میں یہی چیز۔۔۔ زیادہ موزوں ہے۔

چلٹرن: ۔ اس میں شک نہیں کہ سیاسی زندگی ایک شریف زندگی ہے۔

مسز شیویلی: ۔ بعض اوقات۔ اور بعض اوقات ایک چالاک بازی سر لابرٹ! اور بعض اوقات ایذا رساں۔

چلٹرن: ۔ آپ اسکو کیا محسوس کرتی ہیں؟

مسز شیویلی: ۔ میں؟ ان تینوں کا مجموعہ (اپنا پنکھا گراتی ہے)

چلٹرن: ۔ (پنکھا اُٹھا کر دیتا ہے) اجازت دیجئے۔

مسز شیویلی: ۔ شکریہ

چلٹرن: ۔ لیکن آپنے ابتک یہہ نہیں فرمایا کہ لندن کی اسطرح اچانک عزت افزائی کا باعث کیا ہے۔ ہمارا موسم (بہار) تو تقریبًا ختم ہے۔

مسز شیویلی: ۔ معاف رکھئے مجھے لندن کے موسم کی پروا نہیں۔ اس میں ازدواجیت کا زہر از حد سرایت کر گیا ہے۔ یہاں عورتیں یا تو شوہروں کے شکار میں رہتی ہیں یا ان سے گریز کرنے کی فکر میں۔ میں آپ سے ملنا چاہتی تھی، یہہ بالکل صحیح ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ عورت کا منتہائے نظر کیا ہوا کرتا ہے۔ اتنا ہی بلند جتنا مرد کا۔ مجھے بے انتہا خواہش تھی کہ آپ سے ملوں اور۔۔۔۔ آپسے درخواست کروں کہ آپ میرا ہاتھ بٹائیں۔

چلٹرن: ۔ مسز شیویلی۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ کوئی معمولی کام نہ ہوگا۔ میں ان چھوٹے چھوٹے کاموں کو بہت مشکل سمجھتا ہوں۔

مسز شیویلی: ۔ (کچھ غور کر کے) نہیں۔ میں نہیں سمجھتی کہ وہ کوئی چھوٹا کام ہے۔

باقی

گاہے ماہے

اولڈ بوائے کے تیسرے جنم کے وقت میں اپنا ناچیز قلمی ساچق اخلاص کی کشتی میں لگا کر حاضر ہوا تھا اسی کے بعد سے بچہ کی درازی عمر کے واسطے گھر بیٹھے برابر دعا کرتا ہوں، البتہ اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ بچہ کیواسطے پھر کوئی کھلونا بھی لیکر حاضر ہوتا۔ بھائی۔ میں اب بڈھا ہو چلا ہوں۔ نہ اب وہ مضمون آفریں امنگیں ہیں، نہ وہ ولولہ انگیز جوش ہے طبیعت بجھ گئی، حوصلے پست ہو گئے، داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوی شمع خاموش ہیں ؎

گیا ہو جب اپنا ہی جیوڑا نکل تو

کہاں کی رباعی کہاں کی غزل

خدا کے فضل سے فرزندان کالج اور فرزندان یونیورسٹی میں اب اسقدر نوجوان صاحب قلم موجود ہیں، کہ انکے ہوتے ہوے مجھ جیسے شکستہ قلم ریختہ نگار سے بھائی نظر کا متواتر خامہ فرسائی کی اُمید رکھنا سراسر ظلم ہے ؎

چو بادِ صبا در گلستاں وزد چمیدن درخت جواں را سزد

یہ اور بات ہے کہ گاہے ماہے دیرینہ احباب کی الفت لازوال کا جزبہ تخیل ناقلم میں حرکت پیدا کر دیتا ہے اور مولانائے روم کی نالہ کُن نے کیطرح اوس سے داستان جدائی پیدا ہو جائے۔

کسقدر ناانصافی ہے کہ بھائی نظر کو بھی دہلی میں میری چند دعوتیں کھانا ناگوار ہے، حالانکہ احباب حیدرآباد کی مہمان نوازی سے حضرت کو خود ایک مہینہ میں مشکل سے دو تین وقت اپنے مکان پر کھانا کھانے کی نوبت آتی ہے اور مولانا شوکت علی صاحب کے حیدرآباد میں قیام کے زمانہ میں تو ہفتوں بھائی نظر کے

بادہ خانہ میں آگ نہیں جلی۔

مجھے نہایت مسرت ہے کہ مسلم یونیورسٹی کوآپریٹیو سوسائٹی کی اسکیم پردہ تخیل سے نکل کر میدان قرطاس پر آگئی۔ خدا وہ دن کرے کہ یہ کاغذی پیکر ہماری آنکھوں کے سامنے عملی صورت میں آجائے۔ تجارت کے معاملات میں مجھے اسیقدر ید طولیٰ حاصل ہے جسقدر بھائی منظر کو قانونی مسائل میں۔ اسکے متعلق اگر آپ کو کوئی سودمند مشورہ دیسکتے ہیں تو بھائی بشیر مرزا صاحب، کہ وہ کلکتہ کے دارالتجارۃ میں ایک عرصہ سے دشت نوردی کر رہے ہیں، یا ہماری اور بھائی جو کاروباری زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہاں یونیورسٹی کے احاطہ میں اگر اس کام کو کوئی چلاسکتا ہے تو وہ مکرمی مولانا سید طفیل احمد صاحب ایم۔ ایل۔ سی، اور استاذی خاں صاحب میر ولایت حسین صاحب ہیں۔ جن پر بفضلہ تعالیٰ حال میں جوانی لوٹ کر آئی ہے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ یہ دونوں صاحب کوآپریٹیو سوسائٹی کی گاڑی کو باد رفتار طیارہ کیطرح اوڑائے اوڑائے پھریں گے۔ اس سے زیادہ لکھنے کیلئے خامہ کا میدان تنگ ہے۔

اولڈ بوائے میں کبھی کبھی یاران نجد کے نام یا انکے مضامین دیکھکر دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ ایمیں بہت سے احباب کو دیکھے ہوئے سالہا سال گذر گئے۔ انکی صورت دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں، اور انکے پر لطف صحبتونکو دل ڈھونڈتا ہے۔ کاش؛ وہ طالب علمی کا زمانہ پھر لوٹ آتا اور پھر وہی صحبتیں اور وہی وابستگی کے سامان مہیا ہو جاتے ؎

وقت پیری شباب کی باتیں ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

خدا جانے مادر کالج سے کیوں اسدرجہ انکو بے اعتنائی ہوگئی کہ کبھی برسوں میں بھی ایک مرتبہ میکہ کا نام نہیں لیتے۔ سالہا سال گذر گئے کہ اولڈ بوائز ڈنر محض ایک سالانہ رسم کیطرح منعقد کیا جاتا ہے۔ میں تو کئی سال سے یہی دیکھتا ہوں، کہ ڈنر کے موقعہ پر علی گڑھ یا نواحی علی گڈھ کو چھوڑکر باہر کی سہاگن بیٹیاں مشکل سے دو ایک نظر آجاتی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ دنیوی مکروہات میں مبتلا ہو کر گھر بار چھوڑنا دشوار ہو جاتا ہے لیکن اگر دلمیں میکہ کی محبت کچھ باقی ہو تو غیر ممکن ہے کہ پانچ چار سال کے بعد بھی ایک مرتبہ دو تین روز کے لئے وقت نہ نکل سکے۔ اولڈ بوائز ڈنر کو کامیاب بنانے کے تدابیر سوچنا ہے۔ اگر ہم میں سے ہر ایک پانچ برس میں

ایک مرتبہ حریم کالج کا طواف اپنے اوپر فرض قرار دیدے، تو ہر سال سیکڑوں زائر عرفاۃ علی گڑھ پر جمع ہوجایئں گے، خمخانۂ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کو پُر رونق بنانے کے واسطے ہمارے میکدہ سے ساقی کو ذرا زیادہ انجمن آرائی کی ضرورت ہے۔ الفت کی مئے کہن کو کچھ ایسا دو آتشہ بنادیں کہ ایک مرتبہ جسکے موہنہ کو لگجائے پھر عمر بھر اُس کا نشہ نہ اُترے۔ سال بھر میں محض ایک مرتبہ زاہد خشک کیطرح صلاے عام کا جام سفالیں پیش کرنا دور افتادگان چمن کے پژمردہ دلوں میں جان ڈالنے کیواسطے کافی نہیں ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ ڈنر کی تاریخ سے مہینوں پہلے نوید وصل ارباب وفا کے کانوں میں پہونچجائے اور پھر بار بار وعدہ وصل کو تکرار التجا سے دُہرایا جائے تب کہیں جزبۂ دل کیا آزمایش اور امتحان ہوسکتا ہے ہر ڈنر کے موقعہ پر تفریحات اور مشاغل کاتت بنیادل آویز اور دلچسپ پروگرام تیار کیا جائے۔ مثلاً اولڈ بوائز اور طلبائے حال کے آپس میں کرکٹ، فٹ بال، ہاکی، او ٹینس کی میچیں پیشتر سے مقرر کیجایئں، اور اسطرح پر علاوہ سامان تفریح کے مادر کالج کی کنواری بیٹیوں کو اپنے سہاگن بہنوں سے ملنے جلنے اور موانست پیدا کرنے کا موقعہ ملجائے۔ چند سال سے یہہ بہت بری رسم قائم ہوگئی ہے کہ طلباے سابق و حال کو اولڈ بوائز کے اجتماع کے موقعہ پر مثل اقلیدس کے خطوط متوازی کے ایک دوسرے سے علحدہ رکھا جاتا ہے؛ یہانتک کہ گذشتہ ڈنر کے موقعہ پر بڑے اور چھوٹے بھائیوں کو ایک وقت ایک ساتھ کھانا کھانیکا موقعہ بھی نہیں ملا۔ اسی مغائرت اور اجنبیت کا یہہ نتیجہ ہے کہ کالج سے نکلنے کے بعد بھی بھائیوں کی ایک نسل دوسری نسل سے اکثر نا آشنا اور غیر مانوس رہتی ہے۔ اور رشتۂ الفت جو قیام کالج سے سرسید علیہ الرحمہ کا مقصود اصلی تھا وہ روز بروز کمزور اور بودا پڑتا جاتا ہے۔ ہمارے اس اجتماع ملی کو زیادہ پر رونق بنانے کی ایک صورت یہہ بھی ہے کہ جسطرح میلوں، عرسوں، اور تیرتہوں کے جاتریوں کے واسطے ریلوی رعایتی ٹکٹ جاری کرتی ہے اسیطرح اولڈ بوائز ڈنر کے واسطے بھی کنسشن ٹکٹ جاری کرانے کی کوشش کیجائے اس معاملہ میں ہمارے پُرجوش بھائی مسٹر غلام محمد صاحب جنھوں نے ریل کے محکمہ میں ایک علی گڑھی بٹالین قایم کردی ہے بہت کچھ امداد کرسکتے ہیں۔ امید ہے کہ اس ترغیب کیوجہہ سے نئی جاتریوں کی تعداد میں بہت کچھ اضافہ ہوجائے گا۔

اسوقت مسلم یونیورسٹی کی مختصر تاریخ میں ایک نیا باب شروع ہوتا ہے۔ رحمت اللہ کمیٹی کی رپورٹ نے مسلم پبلک میں ایک قسم کی سنسنی پیدا کر دی ہے اور عرصہ کے بعد اب پھر اخبارات میں لیلی مجنوں کی داستانیں نظر آتی ہیں مرغ موسم نما کی حرکت بتاتی ہے کہ عنقریب یونیورسٹی کے آئین اور نظام عمل میں اہم تغیرات رونما ہونیوالے ہیں۔ کیا فرزندان کالج کا یہہ فرض نہیں ہے کہ اس عالم رست وخیز میں اپنے سو کام بند کر کے ایک مرتبہ علی گڑھ آئیں، اور اپنی آنکھوں سے وہاں کی حالات دیکھیں، اور اپنے کانوں سے واقعات سنیں۔ حالت بیماری میں اپنے اوپر تکلیف گوارا کر کے آپ اپنے عزیزوں اور دوستوں کو دیکھنے اور انکی عیادت کرنے کیواسطے جاتے ہیں جن سے بن پڑتا ہے بیمار کی کچھ خدمت اور تیمارداری بھی کرتے ہیں، طریق علاج اور انتخاب اطباء کے متعلق رائے دیتے ہیں، اور جسطرح بن پڑتا ہے بیمار کے تکالیف کم کرنے اور اس کا دل بہلانے کے تدابیر کرتے ہیں۔ آج ہماری خردسال یونیورسٹی بیمار اور علیل ہے۔ رحمت اللہ کمیٹی کے ڈاکٹروں نے تشخیص مرض کر کے نسخہ تجویز کر دیا ہے لیکن جبتک دوا کا ٹھیک وقت پر اہتمام کے ساتھ استعمال کرایا جائے کیا فائدہ ہوسکتا ہے؟ فرزندان کالج کسی طرح حق مادری سے سبکدوش نہیں ہوسکتے۔ اگر وہ اسوقت بھی کروٹ نہ لیں اور مریض یونیورسٹی کی تیمارداری اور مداوا میں شریک نہوں۔ میری ناچیز رائے یہہ ہے کہ اس مرتبہ نومبر کے مہینہ میں دیوالی کی تعطیل میں اولڈبوائز ڈنر منعقد کیا جائے اور ہمارے بھائیوں سے جہانتک ممکن ہو کثرت سے اس میں شرکت کی کوشش کریں اور ایک جگہ جمع ہو کر ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ علی گڑھ کے منور چہرہ پر جو دھبہ اور داغ آگئے ہیں وہ کسطرح صاف ہوسکتے ہیں۔ اس تجویز کو ابھی سے اس امید پر شایع کرتا ہوں کہ منتظمین ایسوسی ایشن کو اہتمام اور انتظام کیواسطے کافی وقت ملجائے اور ہمارے بھائی جو کثرت مشاغل کے شکوہ سنج رہتے ہیں، وہ بھی پہلے سے اپنے نظام الاوقات میں کچھ گنجایش رکھ لیں۔ مجھے امید ہے کہ "اولڈبوائے" بھی اس تجویز کی تایید میں پوری سرگرمی کیساتھ میرا ہم آہنگ ہوگا، اور بھائی منظر خود بھی ایکمرتبہ احرام سفر باندھکر علی گڑھ کا رخ کریں گے۔

باقی داستان فردائے شب۔ خاکسار محمد یعقوب، از مراد آباد

ڈاکٹر ناظر یار جنگ

ہم ایک مدت تک حیدرآباد کے مشاہیر عصر حاضرہ کے حالات جمع کرنے میں سرگرداں رہے اور بالآخر اسقدر کامیاب ہوئے کہ ایک کتاب کے لائق مواد ہمارے پاس جمع ہو گیا۔ اب خصوصیت کیساتھ فرزندانِ علی گڑھ کے حالات کو یکجا کرنے کی فکر ہے۔ کام مشکل ہے، اور خدا ہی سے توفیق استقلال کیلئے دست بدعا ہیں۔ اپنے اگلے پچھلے سال سے) ہم چاہتے ہیں کہ "اولڈ بوائے" کے صفحات بھی رنگین کرتے رہیں، اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے، مختلف مدارج کے اولڈ بوائز کے حالات بہم پہنچائیں۔ کتاب کے لائق مواد فراہم ہو جائے گا، تو ہم اس کی اشاعت کی سعی بھی کریں گے۔ ہمارے ناظرین امید کہ اس جانب متوجہ ہونگے، اور اپنی ذات سے متعلق ہمارے سوالات کو حل فرما کر روانہ فرماوینگے۔ اولڈ بوائے

ناظر یار جنگ بہادر (آنریبل نواب... ڈاکٹر ناظر الدین حسن) خلف مولوی نظام الدین حسن صاحب مرحوم، سابق رکن عدالت العالیہ سرکار آصفیہ و ڈپٹی کمشنر صوبہ برار۔ ۲۰ر مارچ سنہ ۱۸۸۲ء کو اپنے وطن قصبہ نیوتنی ضلع اُناؤ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی مکتبی تعلیم کے بعد مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں داخل ہوئے۔ جہاں گیارہ سال زیر تعلیم رہکر ۴ر نومبر سنہ ۱۹۰۲ء کو بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ یہ امر بطور خاص قابل ذکر ہے کہ مقررہ نصاب میں عربی کو خصوصیت کے ساتھ جگہہ دیجاتی رہی، بلکہ عربی کی خاطر گھر پر بھی سعی کیگئی۔ سنہ ۱۹۰۴ء کے آخر آخر یورپ میں تعلیم کا آغاز ہوا، جہاں کیمبرج، لندن، اور ڈبلن میں تعلیم پا کر ایم۔ اے، ایل ایل بی، اور ایل ایل ڈی کی ڈگریاں حاصل فرمائیں۔ دوران تعلیم میں اپنے اساتذہ سے صداقت نامہ حاصل فرماتے رہے۔

۲۰ جنوری ۱۹۰۹ء کو بیرسٹر بنے، اور پچیس روز بعد انگلستان میں پریکٹس شروع کردی۔ قیام انگلستان کے زمانہ میں اسکاٹ لینڈ، فرانس، جرمنی، اور سوئزرلینڈ کی سیاحت فرمائی، اور واپسی کے وقت مراکش، ہسپانیہ، قسطنطنیہ، اور قاہرہ کی سیر کی۔ یورپ کے قیام اور وہاں کے طرز ماندوبود سے اسقدر اثر پذیر ہوے اکہ ہمیشہ کیلئے خاص مشرقی بن گئے لیکن اس باب میں بڑا دخل مولوی نظام الدین حسن صاحب مرحوم کی اعلیٰ تربیت کو حاصل ہے، جو اپنے فرزند کیجانب سے ایک آن غافل نہوتے تھے، ڈاکٹر ناظر گھر پر رہے یا باہر، علیگڈھ میں قیام کیا یا ولایت میں، بہرحال ایک ضعیف العمر اتالیق ہمیشہ سایہ کیطرح انکے ساتھ رہے۔ ان بزرگوار کی نورانی صورت علیگڈھ میں ہمیں بھی نظر آتی تھی۔

ناظر الدین صاحب علی گڑھ میں کمانڈر کے لقب سے شہرت عام رکھتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جس زمانہ کو موجودہ نسل کے نوجوان کرکیٹ فٹبال وغیرہ پر صرف کرتے ہیں، ڈاکٹر ناظر اُسے فوجی قواعد، شہسواری، اور پولو پر صرف کیا کرتے تھے حقیقت حال یہ ہے کہ جو روح اُس زمانہ میں ان کے اندر پیدا ہوئی تھی، اب تک تو ان کا ساتھ دے رہی ہے۔ گھوڑے کی سواری کا شوق ایام طالب علمی میں ان کو بدرجہ غایت تھا۔ نواب سر افسر الملک بہادر کی بزرگانہ توجہ نے اس شوق سے تعلق گویا سونے پر سہاگہ کا کام کیا، اور ڈاکٹر ناظر الدین کو امپیریل سروس لانسرس میں سواری کی مشق کا کافی موقعہ مل گیا جنگ عظیم کے دوران میں جب ہندوستان کی مدافعتی فوج کی تحریک ہوئی، تو انھوں نے بھی الہ آباد یونیورسٹی کور میں شرکت کرکے ۱۹۱۷ء میں لکھنؤ اور دیرہ دون میں فوجی تربیت حاصل کی۔

ہمیں یاد پڑتا ہے کہ بیسوی صدی عیسوی کا پہلا دہا ختم ہوتے ہوتے ڈاکٹر و بیرسٹر ناظر الدین صاحب ولایت سے وطن تشریف لے آئے، اور ۱۶ دسمبر ۱۹۱۰ء سے اپنے والد ماجد کے حکم سے لکھنؤ میں وکالت شروع کردی۔ لکھنؤ جیسے مقام پر غیر معمولی ذہن و ذکا کا آدمی کامیابی حاصل کیا کرتا ہے۔ ڈاکٹر ناظر بھی اس قسم کے نوجوان تھے کہ تھوڑے عرصہ میں اپنے ہم پیشہ لوگوں کی صف اوّل میں آگئے۔ اس زمانہ میں انکی وکالت کی شہرت اسقدر ہوگئی تھی کہ دور دور جانے لگے تھے۔

حضور پرنور کے حکم محکم پر ۲۲ مردے ۱۳۳۱ف کو سرکار آصفیہ کی ملازمت میں داخل ہوے،

اور نظامت صدر عدالت اورنگ آباد پر مامور فرمائے گئے۔ وہاں سے میدک، اور میدک سے گلبرگہ کا تبادلہ ہوا۔ جمادی الآخر ۱۳۴۳ھ کو بتقریب سالگرہ مبارک "ناظر یار جنگ" کے خطاب سے سرفرازی پائی۔ بہمن ۱۳۳۲ف میں رکنیت عدالت العالیہ پر ترقی یاب ہوئے۔

نواب ناظر یار جنگ بہادر من حیث مصلح و مقرر، ایک خاص سیرت رکھتے ہیں، جس کا اثر علی العموم اُنکے حلقہ احباب اور سوسائٹی پر پڑتا ہے۔ خدا کرے یہ بات ان کے فرزند مصطفےٰ کمال الدین حسن محمد غازی الدین حسن، اور محمد مظفر الدین حسن کو بھی حاصل ہو۔

ہمارے بھائی سردار اشرف خاں بہادر (گجرات پنجاب) میں بیٹھ کر، بھائی ناظر گوالیاری کی طرح فرماتے ہیں کہ اولڈ بوائے کو حیدرآبادی نہ بناؤ۔ اور اسکے صفحات سارے ہندوستان کیلئے یکساں کھلے رہنے دو۔ بھائی کا یہ ارشاد ہمارے سر آنکھوں پر لیکن ہمارے تمام بھائی تھوڑی سی فکر فرماکر ہمیں یہ بتائیں کہ ہمارے پاس اُن کے گھروں کے حالات معلوم کرنے کے وسائل کیا ہیں؟ ادھر اُدھر سے جب کبھی کوئی خبر ہم تک پہنچ جاتی ہے، ہم نمک مرچ لگا کر اس خوانِ نعمت پر ضرور چن دیا کرتے ہیں۔ سال میں ہر بھائی پر کوئی نہ کوئی واقعہ ایسا ضرور گزرتا ہے، جس کے اثر سے دوسرے بھائی بھی لذت گیر ہوں، اگر شاید ہی کوئی صاحب ایسے ہوتے ہونگے جو اپنی خوشی میں ہمیں بھی شریک فرمالیا کرتے ہوں، ورنہ ہمیں خود ہی دوسرے کاموں کے ساتھ ہی خبروں کی تلاش بھی کرنی پڑتی ہے۔ اب رہا حیدرآباد، یہ بجائے خود اولڈ بوائز کی ایک دنیا ہے، جس میں ملک کے طول و عرض کے رہنے والے علیگڈھ کے نام لینے والے موجود ہیں۔ یہ لوگ ہماری گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ ہم نہایت خوشی کے ساتھ اپنے تمام بھائیوں کو اطلاع دیتے ہیں کہ ہر وہ اولڈ بوائے جس کو اپنے اس رسالہ سے دلچسپی ہے، اسکے صفحات کی ایک ایک سطر کو اپنے کام میں لاسکتا ہے۔

شادی بریگیڈ

ترانے کی دھوپ میں اولڈ بوائز کا ایک زبردست بریگیڈ نواب احمد بیگ خاں (جنہوں نے کالج میں تعلیم تو نہیں پائی مگر کھلنڈروں کے صحبت میں اچھے خاصے .... گھل مل گئے ہیں) شادی کی وجہ سے کئی دن خیریت آباد سے کبھی چار مینار اور کبھی سیف گلشن پر دھاوا کرتا رہا محفل عقد میں اکثر سہرے پڑھے گئے تو چچا نے اپنے بھتیجے کی طرف دیکھا (یہ علیگڈھی رشتہ ہے) بچپن سے سعادتمند بھتیجے کہاں رکنے والے تھے فوراً شعر لکھنا شروع کر دیے اور چچا کو بھی سگریٹ سوز کا خطاب عطا کر دیا۔ اصل مسودہ سلسلہ بسلسلہ ہم تک پہونچ گیا اور ہم اُسے شایع کئے دیتے ہیں۔ اولڈ بوائے

میکدۂ نشاط میں چلنے دے بادۂ کہن
فضل خدا سے ساقیا جمع ہیں آج نورتن

آج دلوں سے دُور ہیں اسطرح رنج اور محن
رحمتِ حق سے جسطرح رہتا ہے دور اہرمن

سیف نواز جنگ کے گھر پہ ہے ایک اژدہام
جمع ہوئے ہیں ایک جا صاحب سیف اہل فن

بزم طرب کی دوں مثال صحن چمن سے کسطرح
کھلتے نہیں ہیں ایک جا گیندا گلاب نسترن

سروِ خرام باغِ عام یعنے یہی میاں جمال
جن کی ہوا سے مشک بیز نافہ آہوئے ختن

ناظمِ بزم رقص ہیں قاسم اکل و شرب ہیں
ہانپ رہے ہیں ظاہراً دل ہے مگر مگن مگن

گاہ بشانِ مسخری گاہ بطرز دلبری
آغا کے بھی زبان پر لطف کے آج ہیں ذہن

غوث کے زرق برق ٹھاٹھ رشتی کی پھر غضب یہ
کچھ تو ہے سینے کا اُبھار چست پھر اسپہ پیرہن

جلوہ فروز بزم ہیں صاحب چشم پرفسوں
اور بنے ٹھنے ہوئے ایکطرف ابو الحسن

والسٹین انبساط کی مار رہے ہیں ڈائیں ڈول
بزم میں زین العابدیں ماتھے پہ ڈالے شکن

اعظم سگریٹ سوز گھور رہے ہیں دور سے
ہاتھ میں لیکے کیمرا حسن کے بنکے ممتحن

بچھڑوں میں سینگ کاٹ کر آئے ہیں ڈاکٹر لطیف
آج کے دن اتار کر گاندھوی اپنا پیرہن

بت کدۂ جمال میں سہمے ہوئے بدن چرائے
بیٹھے ہیں سب کے بیچ میں دلھا بنے ہوئی دلہن

سہرے کے صرف بوجھ سے کھاتی ہے تین بل کمر
موتی کے لڑ کا بوجھ کچھ پھول میں سر پہ ایک من

ماں کے ہیں آرزو کی پھول بہنوں کے اشتیاق کے
سہرے میں یوں تو ظاہرا گوندھی گئی ہے یاسمن

گل سے ہیں دیدوں کس طرح رخ کی بلا وجہہ مثال
پھول میں کب یہ نازکی غنچہ کا یہ کہاں دہن

ناک ذرا اٹھی ہوئی آنکھ میں ہیں حلاوتیں
ابرو کھچے ہوئے کماں اور وہ جبیں پر شکن

چہرے پہ وہ چمک کہ تک بجلیاں لپکے کوند جائیں
سہرے کو ہاتھ سے ہٹا دیکھی جو سوئے انجمن

نکلے نقاب روئے یار چشم نظارہ بیں سے بیر
کلیوں کا آج یہ دماغ پھولوں کا آج یہ چلن

پھول امید کے کھلے دور ہے انبساط کا
پوری وہ آج ہو گئی دل میں لگی تھی جو لگن

(شمشاد)

تسلیم ۔ مزاج شریف ۔ نواب عنایت جنگ بہادر کے یہاں آپ نے رسالہ "اولڈبوائے" لطف فرمایا تھا ۔ امیروز میں نے پورا رسالہ پڑھ ڈالا ۔ بڑی دلچسپی سے وقت گزرا ۔ مولوی اشفاق علی صاحب نے لکھا ہے کہ اس مرتبہ اچھی زمین میں ضخیم لیا ہے ۔ توقع ہے کہ اولڈبوائے کو عمر ابدی ملے گی " اچھی دعا ، اچھی توجہ ۔ میں بھی اس دعا کا شریک ہوں حقیقت میں اس کام کو آپنے پھر جو زندہ کیا تو اولڈبوائز علیگڈھ پر احسان فرمایا ہے ۔ مولوی ناظر حسن صاحب انصاری کی بتائی ہوئی تجاویز بہت مفید ہیں ۔ بہت ممکن ہے کہ اس پرچہ کے احیا میں ان سے کافی مدد ملے ..... خدا ایسا کرے کہ ہر طرف سے صدائے لبیک آپکو سنائی دے ۔
علیگڈھ کے کھلنڈروں کی تلاش کرونگا جو ملے گا آپکی طرف بھیج دینے کی کوشش کرونگا ۔ علمی خدمات کیلئے آپکی ہستی مغتنمات سے ہے ۔ خدا تعالیٰ آپکو با صحت و عافیت سلامت رکھے ۔ خاکسار غلام غوث خاں

بھوپال میں ھاکی

مکرمی۔ السّلام علیکم

پرچہ ملا بعض مضامین کی تفصیل ہی دیکھنے پایا تھا کہ ہتھیا لیا گیا مگر یہ تعجب ضرور ہے کہ میرے مضمون کو جگہ دیکر میری ہمت افزائی نہ کی گئی معلوم نہیں یہ خفگی کیوں ہے خیر اب آپکو ایک آدھ خبر سے مطلع کر کے اپنے فرض سے توسبکدوش ہو جاؤں۔ لے اب سُنیئے:۔

دوسری مئی سے دس مئی تک یہاں آل انڈیا اقتدا ر ھاکی ٹورنامنٹ ہوا علیگڈھ کی ہاکی ٹیم بھی آئی تھی سب ملا کر کل بارہ ٹیمیں تھیں۔ سکرٹری اس کپ کے ہمارے میجر ممتاز صاحب تھے۔ یہ سن کر یقیناً آپکو افسوس ہوگا کہ علیگڈھ کی ٹیم نواب پٹھاری کی ٹیم سے جس میں کہ سب جبل پور کے چیدہ چیدہ پلیرز کھیل رہے تھے سیمی فائنل میں ہار گئی۔ کھیلے نہایت اچھا مگر کچھ ناتجربہ کاری اور کچھ فیلڈ کے اچھے نہ ہونے کی وجہ سے ان کو شکست کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ ٹیم میں پرانے صرف دو تھے باقی سب نئے تھے۔ ان وجوہ سے اُنکے ہار جانے سے ایسا زیادہ افسوس نہیں ہوا۔ بہرحال علیگڈھ کو جیت کر ان لوگوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ مجرے بازی کی نوبت پہونچ گئی تھی۔ اب فائنل آکر سُلطانیہ پانیر بھوپال سے پڑا جس میں تین علیگڈھ کے بیچارے اولڈ بوائز بھی کھیل رہے تھے ایک تو سکنڈ لفٹنٹ سید وزیر علی مشہور کرکیٹر دوسرے منظور حسین کیڈیٹ اور تیسرے خواجہ علاءالدین کیڈیٹ یعنے یہ خاکسار۔ مجمع بکثرت تھا تمام افسرانِ ریاست و نواب زادگان شریک تھے ہمارے اعلیحضرت سکندر صولت نواب صاحب بہادر چونکہ دورے پر تھے اسوجہ سے شریک نہو سکے مگر نتیجہ معلوم کرنے کے لئے بیچین تھے چنانچہ ٹیلیفون کے ذریعہ سے خبر رسانی کا سلسلہ جاری رہا خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ہم لوگوں نے کھیل شروع ہوتے ہی آٹھ سکنڈ میں ایک گول کر دیا۔ ان لوگوں نے دس منٹ کے بعد

وہ گول ادا کر دیا۔ کھیل بہت تیز ہو رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد ہم نے پھر ایک گول کیا پھر انھوں نے چند منٹ میں اُسے ادا کر دیا۔ اتنے میں ہاف ٹائم ہوا پانچ منٹ کے وقفہ کے بعد پھر کھیل ویسی ہی تیزی سے شروع ہوا اور برابر ہو گیا۔ جب خاتمہ میں دس یا بارہ منٹ باقی تھے۔ ہم لوگوں نے پھر ایک گول کیا اور اسکے تین ہی چار منٹ کے بعد ایک اور کر دیا۔ اب انکے دل ٹوٹ چکے تھے۔ چنانچہ پانچ چار منٹ کے بعد خاتمہ بھی ہو گیا۔ اسطرح ہم لوگوں نے چار گول کئے اور انھوں نے دو اور ہم لوگ دو گول سے جیت گئے۔ فوراً نواب صاحب کو ٹیلیفون کے ذریعہ سے خبر ہو پہنچائی گئی جس کو سُنکر اعلیٰحضرت بیحد خوش ہوئے۔ کپ اور مڈل نواب زادہ کپتان سعید الظفر خاں صاحب نے تقسیم کئے۔ کپ اور سونے کے مڈلز ہم لوگوں کو یعنے سلطانیہ پائنیر بھوپال کی ٹیم کو ملے اور چاندی کے مڈلز نوابصاحب پٹھاری کی ٹیم کو جو دوسرے رہے۔ دو اسپیشل پرائز دیے گئے ایک علیگڈھ کے لفٹ آوٹ مسٹر علی ظہیر کو اور دوسرا نوابصاحب پٹھاری کے سنٹر ہاف مسٹر تقی آف جبل پور کو۔ اب چاہئے علیگڈھ کی ہار کا غم غلط ہوا کیونکہ اس ٹیم کو (Champion) کہنا چاہیے۔ اب گویا ہم لوگ چمپین ہو گئے کیونکہ ہم لوگوں نے تین سال متواتر اس کپ کو جیت لیا ہے۔ اس سے بھی مطلع کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ علیگڈھ ٹیم نواب زادہ کپتان رشید الظفر خاں صاحب کے دولتکدہ شملہ کوٹھی میں مہمان تھی۔ جملہ سامان آسائش و آرام ٹیم کیلیے مہیا تھے۔ ہر وقت روز رائز موٹر کاریں انکی سواری کے لئے تیار رہتی تھیں۔ یہ غالباً جناب کو معلوم ہی ہوگا کہ نواب زادہ صاحب علی گڈھ ہی میں سکینڈ ایر میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ اس سال ڈیڑھ سال ہی کے عرصہ میں علیگڈھ کی سچی اسپرٹ کوٹ کوٹ کے ان میں سرایت کر گئی ہے اور کالج میں نہایت ہر دلعزیزی انکو حاصل ہے۔ اور خاص کر علیگڈھ کا ہاکی کلب تو انکا بیحد ممنون ہے کیونکہ نواب زادہ صاحب نے ہمیشہ اُس سے دلچسپی کا اظہار کیا ہے اور برابر دامے درمے۔ سخنے۔ قدمے انکی مدد کرتے چلے آئے ہیں۔ ہاکی کلب والوں کی یہ خواہش ہے کہ ہاکی کے لئے بھی ایک پویلین بن جائے جیسا کہ کرکٹ کا ہے اور یہ کوئی مشکل نہیں ہے بلکہ نہایت معمولی سی بات ہے کیونکہ انکی توی اُمید ہے کہ نواب زادہ صاحب انکی اس خواہش کو پورا

کہ کے ممبران ہاکی کلب کی ضرور ہمت افزائی فرمائیں گے اور اپنے یہاں کی مخیرانہ شہرت کو ضرور قائم رکھیں گے۔

آخر میں ہم فوجی اولڈبوائز نے نان و نمک سے اپنے چھوٹے اور عزیز بھائیوں کی تواضع کی۔ اس میں سول کے اولڈبوائز صاحبان بھی شریک تھے۔ نواب کیپٹن سعید الظفر خاں صاحب و نواب زادہ کیپٹن رشید الظفر خاں صاحب نے بھی شرکت فرما کر ہم لوگوں کی ہمت افزائی فرمائی تھی۔ اس دعوت کی کامیابی کا سہرا ہمارے میجر ممتاز صاحب و سکنڈ لفٹنٹ ظہور احسن خاں صاحب کے سر ہے۔ ڈنر ختم ہونے پر لمبی لمبی تقریروں کا سلسلہ شروع ہوا۔ ہمارے طرف سے حسن محمد حیات صاحب سکرٹری لجسلیٹو کونسل یعنے (لارڈ حیات) نے جواب دیا اور قریب ایک گھنٹہ تک بولے۔ اپنے بھائیوں کو انکے فرائض سے آگاہ کیا اور بتایا کہ تمھارا تعلق یونیورسٹی سے دائمی رہنا چاہیے۔ یہ نہیں کہ ڈگری خریدی اور چلدیئے۔ اور یہی علیگڈھ کی خاص خصوصیت ہے جو اور جگہ نہیں ملے گی۔ غرض کہ بہت سی مفید باتیں انکو بتائیں۔ اسکے بعد کھانا بڑھا یا گیا۔ اور سب صاحبان قوالی سُننے میں مشغول ہوئے یہ سلسلہ رات کے دو بجے تک جاری رہا۔ وہ کچھ عجیب سین تھا۔ ہر شخص ایک دوسرے کو محبت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور ہر فرد خوش و خرم نظر آتا تھا۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ یہ سب سگے بھائی ہیں! اور یہ ہمیشہ ہنسنے اور خوش رہنے کیلئے دنیا میں پیدا کئے گئے ہیں۔ میرا تو یہ ایمان ہے کہ سر سیّد الرحمتہ کی روح کو اسوقت خاص مسرت ہو رہی ہوگی کیونکہ اس برگزیدہ ہستی کا تو مشن ہی یہی تھا کہ مسلمان آپس میں شیر و شکر ہو کر رہیں جس کی تکمیل کیلئے علیگڈھ میں اس درسگاہ کی بنیاد ڈالی گئی جو بفضلہ یونیورسٹی کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ ہم انکے ہیں اور وہ ہمارے ہیں۔ ۱۲ مئی کو میل ٹرین سے علیگڈھ ٹیم واپس گئی۔ اسٹیشن پر بھی اولڈبوائز کی معقول تعداد تھی۔

نیازمند خواجہ علاء الدین۔ بھوپال

یادِ ایّام

(۳)

اپنے چھوٹے بھائیوں کی اطلاع کیلئے جو اسوقت طالب علمی کے زمانہ میں کھیلوں میں قدم زن ہیں عرض کرونگا کہ اچھا دوڑنے والا بننے کیلئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ اوّل یہ کہ جسم کو قابو میں رکھا جائے اور دوسرے دوڑنے کے وقت قدم کی لمبائی۔ کامیابی ان دو باتوں پر منحصر ہے۔ جسم قابو میں رکھنے کو سب سے پہلے اپنے زائد گوشت اور چربی کو کم کردو۔ یہ اسطرح ہوگی کہ غذا زیادہ مرغن نہ کھاؤ۔ پانی کم پیو۔ مصالحے دار غذا نہ کھاؤ۔ جو اور دلیئے کا زیادہ استعمال کرو۔ اور صبح کو ورزش کے بعد سارے جسم کو کھردرے تولئے یا ٹاٹ یا کمبل کے ٹکڑے سے خوب ملو کہ پسینا آجائے۔ گرم گرم اگر ٹھنڈے پانی میں کود جاؤ تو نقصان نہ ہوگا۔ بشرطیکہ بدن بالکل سرد نہ ہونے پائے۔ دوڑنے میں تین چیز کا خیال رکھو۔ قدم کی زیادہ سے زیادہ لمبائی۔ دوسرے یہ کہ سارے قدم برابر لمبائی کے ہوں۔ تیسرے قدم کی یکے بعد دیگرے تیزی۔ میں نے اپنے قدم کو دس فیٹ تک بڑھایا: یعنے ایک قدم دوڑنے کے وقت دس فیٹ ہوتا تھا۔ لمبائی بڑھانے کیلئے پانوں اور گھٹنوں اور ہپس کی جرک (Jerk) سے کام لو۔ پنجوں پر دوڑو۔ دوڑتے وقت اگر پانوں کے پنجوں کی جرک سے اُچھلنے اور گھٹنے کی جرک سے پانوں آگے ڈالنے اور ہپ کی جرک سے ساری ٹانگ دور آگے ڈالنے کی کوشش کروگے تو اپنے قد کے لحاظ سے لمبے سے لمبا قدم حاصل کرسکوگے۔

اَمدم برسرِ مطلب۔ جب میں کھیل کود میں شریک ہونے لگ گیا اور ضد توڑ کر نیکر و پتلون پہننا بھی شروع کردیا تو شوکت صاحب کی خوشی کی حد نہ تھی (اب وہ میری پتلون اور ٹوپی سے بیزار ہیں۔ اجمیر میں

ایک دفعہ ملاقات ہوئی ۔ لپٹ تو گئے لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ روپے میں ۱۲ رتو بھتّیا ہو)

اسوقت میں یونین اور کالج کے درمیانی بنگلہ میں رہتا تھا۔ گوشہ جنوب مشرق کے کمرے میں مولانا حالی صاحب رہتے تھے۔ میری دیوانگی موہوم کامیابی کے مقابلے میں ابھی بہت باقی تھی۔ ایکروز (ماہ جون میں) مولانا حالی صاحب جو عموماً بہت سویرے اُٹھتے اور بنگلے کے سامنے اپنی دھن میں قدم زن ہوتے تھے۔ صبح ہی میرے پاس آئے اور مجھ سے میرا حسب نسب پوچھ کر فرمانے لگے کہ تم بیمار ہو۔ رات تم بے آرام تھے تم رات بھر سوئے نہیں اور تمام رات پھرتے رہے ہو۔ میں تم کو ایک خط دونگا وہ لیکر تم حکیم واصل خاں صاحب کے پاس دہلی جاؤ اور علاج کراؤ۔ فوراً ہی وہ اندر جاکر دو خط لکھ لائے ۔ ایک حکیم صاحب قبلہ کے نام اور دوسرا نواب احمد سعید خاں صاحب کے نام کہ انکے پاس ٹھہرنا۔

میں نے اس کو تائید ایزدی سمجھا اور دوسرے دن دہلی گیا۔ دہلی صبح کے چار بجے پہنچا۔ بدیں خیال کہ نواب احمد سعید خاں صاحب مجھے نہیں جانتے اور ڈپٹی ہادی حسین خاں صاحب قبلہ جو والد مرحوم کے عزیز دوست اور بھائی ہوتے تھے انکے ہاں جاؤں۔ میں نے گاڑی والے کو ہدایت کی اور وہ ڈپٹی صاحب کے مکان پر جا ٹھیرا۔ ڈپٹی صاحب پنجاب میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر، بہت نیک نام محسن اور بڑے پائے کی لوگ تھے۔ والد مرحوم سے انکے پرانی دوستی اور محبت کے روابط تھے۔ دروازے پر دستک دی تو جواب نہ آیا۔ آواز دی تو فوراً ہی پاس کے دیوانخانے سے اونچی آواز دی کہ فلانے جلدی دروازہ کھولو، یہ غیروں ہمارے بھائی کے بچے کی آواز ہے" اور میرا نام لیا، یہ خود ڈپٹی صاحب کی آواز تھی جو نماز کی تیاری میں تھے دروازہ کھلا، میں اندر گیا، تو دیکھا کہ درمیانی قامت کی ایک شریف تصویر، نازک اندام، آنکھوں سے معذور وضو کی تیاری میں آستین چڑھائے سامنے نظر آئی۔ فوراً مجھ سے سوال ہوا کہ تم (میرا نام لیا) ہو۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ فوراً اٹھکر مجھ سے لپٹ گئے اور کہا کہ کیا اچھا دن ہے۔ مجھ سے اپنے بھائی کی بو آتی ہے۔ میں نے تم کو تین سال کی عمر میں دیکھا تھا لیکن میں قیافہ اور تمہاری آواز سے پہچان گیا۔ فوراً دیوانخانے میں لے گئے اور سارے گھرانے کی حالات اور سلامتی کی پرسش میں نماز کی بھی خبر نہ رہی۔ اللہ اللہ کیا لوگ تھے، اور کسی صاحب صداقت اور دوستی والے محبت بھرے دل تھے۔

صبح کو آدمی ساتھ کر کے انھوں نے حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں مجھے روانہ کیا۔ حکیم صاحب قبلہ خدا ان کو مغفرت کرے نہایت فہیم اور عاقل و متحمل و باوقار ہستی تھی۔ میں نے عرض حال کرنا چاہا، تو فرمایا کہ نبض دیکھ لی ہے، میں خود کہے دیتا ہوں کہ شکایت کیا ہے، اور انھوں نے میری شکایات کو خود ہی دہرایا۔ اللہ اللہ کیا شان مسیحائی ہے۔ غرضکہ چھ چھ دن کے وقفے سے دہلی جا کر حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ کچھ عرصہ بعد میں بالکل تندرست انسان بن گیا۔

انہی ایام میں ایک دن نیا سلیپر پہنکر نماز کیلئے مسجد گیا تو کسی نے سلیپر اوڑا لیا، مظفر علی خان صاحب کا تسخر سب کو یاد ہوگا۔ آنکھیں ان صورتوں کے دیکھنے کو ترستی ہیں۔ کہنے لگے کہ بھائی جان اچھے جوتے پہنکر جو آتے ہیں وہ صرف "حاضر" کہنے کو آتے ہیں۔ آپ نے مفت نماز کی تکلیف کی گفتگو میں برسبیل تذکرہ میں نے بک صاحب سے کہا کہ کچھ انتظام کیا جا ے کہ مسجد سے جوتے غائب نہ ہو جایا کریں تو وہ بہت ہنسے اور باتوں میں ٹال دیا۔ میں نے بھی پہلو بدلا اور کہا کہ بنگلہ سے نماز کی خاطر مسجد جانا بہت دشوار ہے صبح کو اٹھتے اٹھتے آفتاب نکل آتا ہے۔ نماز نہیں ہوسکتی ظہر کو کالج بھی جانا ہوتا ہے کچھ ناشتا بھی کرنا ہوتا ہے۔ مسجد جائیں تو کالج وقت پر نہیں جاسکتے۔ عصر کو مسجد آنے جانے میں کھیل کا وقت جاتا رہتا ہے مغرب کو کھیل کے بعد پسینے سے تر کپڑوں کے ساتھ نماز میں دقت ہوتی ہے عشا کو اتنی دور اندھیرے میں ٹھوکریں کھانا اور اگر ہم وظیفے میں لگ جائیں تو گیٹ بند ہو جاتا ہے واپس جانا مشکل اور بنگلہ پر پیر ولائت حسین صاحب ہم کو غیر حاضر پاکر سزا دے دیتے ہیں کچھ انتظام کیا جا ے۔ اسپر بک صاحب کی آنکھیں کچھ روشن ہوئیں تو فرمایا کہ اچھا تم کو نماز کا بنگلہ جات کیلئے امام مقرر کرونگا۔ بنگلہ والے سب کالج کے بیرونی برآمدے میں عشا کے نماز کیلئے حاضر رہیں۔ میں خود آکر دیکھونگا۔ اوٹھ کر چلا آیا مقصد حاصل ہو گیا۔

تمام بنگلہ والوں کو اطلاع دی کہ نماز بخشوا آیا ہوں۔ ایک وقت کی تکلیف کیجئے غرضکہ شتاق حسین صاحب (بہاولپور پرنسپل) ابوالحسن صاحب، صاحب، میاں احسان الحق صاحب (سشن جج جہلم) نواب بوم رامپوری۔ ضیاءالدین صاحب (علیگڈھ) ضیاءاللہ صاحب (انجنیر دہلی) وغیرہ کا غول کالج کے برآمدے میں مشغول نماز ہوا۔ نماز کہاں کی وہاں صرف بک صاحب کی فکر اور آمد کا انتظار تھا۔

غرضیکہ نماز کے اختتام کے قریب وہ بھی ایڑی زور سے زمین پر مارتے ہوئے آموجود ہوئے اور کہا کہ بہت اچھا ہے، ایک رجسٹر روزمرہ کی حاضری کا بنایا جائے اور تم کو نماز کا مانیٹر مقرر کیا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ مشتاق صاحب زاہدی کے فکرِ خیر کا نتیجہ تھا۔ احسان صاحب اور ابوالحسن صاحب نے ہم کو دعائیں دیں اور میں مانیٹر نماز بن گیا۔ صبح تو مشتاق صاحب زاہدی نے ایک رجسٹر تیار کیا۔ نام لکھے اور پندرہ دن کی سب کی حاضری پُر کردی۔ پندرہ روز حاضری پُر کیا کرتے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس لحاظ سے بنگلہ کی نماز کی حاضری مسجد کی حاضری کے رجسٹر سے نہایت باقاعدہ تھی، میں نے کالج میں ایک دن رجسٹر بک صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ انھوں نے رجسٹر دیکھ کر ایک ایک نام پر غور کیا، اور مسکرائے، اور اِدھر اُدھر نظر پھیر کر کہا کہ خوشی ہے کہ بنگلے کے سارے بورڈرس نماز کے بہت پابند ہیں، واپسی پر میں نے مشتاق صاحب زاہدی کا شکریہ ادا کیا، اور ابوالحسن صاحب اور احسان صاحب کو مبارک باد دی اور مانیٹری کا سکہ بھی جمایا کہ بھیا اگر ضرورت پڑے اور نماز کیلئے بلوایا جائے تو ضرور جیسے ہو مونہہ دکھا جانا۔ اللہ میاں تو معاف کر ہی دیں گے۔ بک صاحب سے جان چھڑانا مشکل ہو جائے اور مانیٹری کے لالے نہ پڑ جائیں لیکن میرے بنگلہ کی سب بھیڑیں اپنے اعتقاد میں درست، بلانے پر بھی کبھی نماز کی حاضری تک کے لئے قدم رنجہ نہ فرماسکے۔ ہاں قبلہ ضیاء الدین صاحب کبھی کبھی پوچھ لیا کرتے تھے، کہ کیا آج نماز ہوئی تھی۔

انہی ایام میں تو اعد سکھانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ بک صاحب اس معاملہ میں بہت سرگرم تھے۔ بھائی سرفراز خاں مرحوم افسر کمانڈنگ مقرر ہوئے۔ سید زین الدین صاحب لفٹنٹ مقرر ہوئے۔ میں بھی سپاہیوں میں بھرتی ہوا۔ سینکڑوں لٹھ سرفراز خاں نے ایک دن میں تیار کرائے۔ اور بندوق کے بجائے یہ ہم کو تقسیم کئے گئے۔ ہر ایک لٹھ قد کے برابر اونچا تھا۔ مشتاق صاحب بلیو بلیک، تمباکو پینڈا۔ حامد بیٹ حاجی محمد خاں اور بھیا ساتیہ محمد عبداللہ مرحوم اور چچا ضیاء اللہ خاں مرحوم اور مغنی و اشفاق اس میں شامل ہوئے۔ ابوالحسن صاحب، صاحب بھی اور میاں احسان صاحب بھی سپاہیوں میں بھرتی ہوئے۔ تو اعد ہر روز صبح کو بکی پارک کے سامنے ہوتی۔ رضا خاں گوڑگانوں کا رہنے والا فوجی حوالدار

قواعد سکھانے کو بلوایا گیا۔ یہ جمناسٹک کے اُستاد بھی تھے۔ اچھے خوش مزاج متحمل شخص تھے۔ بعد میں
یہ جمناسٹک میں میرے، سید عبدالحفیظ اور سب کے اُستاد ٹھہرے۔ سرفراز خاں صاحب بڑے زور سے
حکم دیتے ہم اطاعت کرتے کسی کی غلطی پر سرفراز خاں صاحب کا غصہ قابلِ دید تھا۔ اُلو گدھا پاجی بھی کہتے تھے
سرفراز خاں کیلئے میں نیا شخص نہ تھا۔ ہمارے ہر دو خاندانوں میں پُرانے مراسم تھے اور بزرگ ایک دوسرے
سے وابستہ تھے۔ میں شرارتاً سرفراز خاں صاحب کا غصہ دیکھنے کو، یا ریاضی پنڈا اتمبا کو کے ایما پر دانستہ
غلطی کرجاتا۔ رائٹ کی جگہ لفٹ یا لفٹ کے حکم پر رائٹ مڑجاتا، تو سرفراز خاں زور سے قدم زمین پر
مارتے، ہاتھ ہلاتے آگے بڑھ کر رک جاتے، اور کچھ گالیاں بھی دیتے جاتے۔ ایک دو دفعہ اسیطرح غلطی
کرنے پر سرفراز خاں صاحب نے مجھ کو حکم دیا کہ تم باہر آجاؤ اور میرے کمرے پر آکر قواعد سیکھو۔ قواعد
کی مشق کے بعد میں ایک قیدی کی حیثیت میں لٹھ کندھے پر رکھے انکے پیچھے چلکر کمرے میں جاتا وہ اسوقت
۲۷ یا ۲۸ نمبر کی پکی بارک میں تھے۔ وہ کرسی لیکر سامنے بیٹھ جاتے اور مجھے حکم ہوتا۔

فال ان، لیفٹ ٹرن، رائٹ ٹرن، کوئک مارچ، میں درستی سے
قواعد کرتا۔ تو جھنجلا کر اوٹھ کھڑے ہوتے اور یوں فرمانا شروع کرتے کہ قواعد کے وقت جاکر تو گدھا بنجاتا ہے
ابتو اچھی طرح قواعد سے واقف نظر آتا ہے۔ غرضکہ (ڈسمس) کا حکم ہونے پر بندوق
(لٹھ) کو کونے میں رکھکر بھائی سرفراز کے سامنے کھڑا ہو کر جو کچھ میری زبان پر آتا ہزار گالیاں دیتا
اور ہزار سنتا۔ سرفراز صاحب چپکے سے اُٹھکر ساتھ کے کمرے میں لارڈ حامد صاحب کے پاس جاتے
اور میں بھی انکے پیچھے وہاں فیصلہ یہ ہوتا کہ کس نے الو بنایا۔ اکثر بھائی سرفراز ہی کو ماننا پڑتا تھا
لیکن وہ کبھی مانے نہیں۔ کیا زمانہ تھا۔ کیا لوگ تھے۔ کیا دل تھے۔ کیا خلوص تھا کیا برادری تھی۔

دل ہی نہ رہا امید کیسی — جڑ کٹ گئی نخلِ آرزو کی

چندہی روز بعد کانفرنس علیگڈھ میں شروع ہوگئی۔ اسٹریچی ہال کے سامنے مشرق کیجانب
سرسیدؒ کا خیمہ تھا جہاں شب و روز وہ وہاں رہتے تھے۔ اسٹاف اور مہمانوں کے خیمے بھی تھے۔ رات
کے پہرہ کا انتظام ڈرل والوں کے سپرد ہوا۔ ہر شب اوقات مقررہ پر گارڈ بدلکر پہرہ دیتے —

سید زین الدین لفٹنٹ اور سرفراز خاں افسر کمانڈنگ اپنی اپنی رونڈ پر اطمینان کو آتے۔ میرا پہرہ سرسیّد کے خیمے پر تھا۔ مجھے واقعہ یاد ہے کہ رات کو دو بجے ایک ارجنٹ تلگراف سیّد کے نام آیا۔ تلگراف لیکر میں اندر گیا۔ سرسیّد پڑے سوتے تھے۔ میں نے آہستہ سے آواز دی آپ اُٹھے پوچھا کیا ہے۔ میں نے تلگراف کا لفافہ پیش کیا۔ فرمایا کھولو۔ پڑھو معلوم ہوا کہ وہ ایک آنے والے انکے دوست کا تار تھا۔ فرمایا کہ صبح دفتر میں دے دینا اور لیٹ گئے۔ مجھے اتبک افسوس ہے کہ میں نے تلگراف بجائے صبح کو اُس دفتر میں پیش کرنے کے رات کو اُن کو بے آرام کیا لیکن سچ تو یہ ہے کہ سرسیّد کو دیکھنے کیلئے میں ہر روز موقع تاکتا رہتا تھا کہ کسی بات کا موقع نصیب ہو۔ یہ موقع نصیب ہوا اور دو تین موقع نصیب ہوئے جن کا شرف مجھی کو حاصل ہوا اور کالج کے دوسرے کسی طالب علم کو نصیب نہ ہوا ہوگا۔ ان کو بعد میں عرض کرونگا۔

میسٹر عالم خاں گنڈاپور (ویرہ اسمٰیل خاں) مرحوم جنھوں نے ولایت جاتے ہوئے راستے میں مصر میں وفات پائی میرے عزیز دوست تھے۔ وہ اگر اتبک زندہ ہوتے تو انکی روشن خیالات اور ہوشمندی کو مدنظر رکھکر میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ممبر کونسل، اور باقتدار، اور مشہور شخص ہوتے، لیکن عمر نے وفا نہ کی۔ ایک صاحب سے انکا بہت دوستانہ تھا۔ انکو خیال پیدا ہوا کہ اہل پنجاب سے بھی کسی کو لفٹنٹ ڈرل بنایا جاوے! در قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند۔ میرے لفٹنٹ ہونے پر شوکت صاحب کو خبر ملی۔ وہ مجھے ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ مجھے ملے اور ہاتھ پکڑ کر الگ لے گئے۔ فرمانے لگے کہ دیکھو میں جو خواب تمھارے واسطے دیکھ رہا تھا اور جو سوچا تھا اُس کا آغاز شروع ہوگیا ہے۔ تم کو مبارک ہو سنبھلکر چلنا، اور بس۔ غرضکہ میں ڈرل کا لفٹنٹ مقرر ہوگیا۔ امتحان میں بھی کامیاب ہوگیا۔

خدا جنت میں جگہ دے۔ خواجہ غلام الثقلین صاحب مرحوم سے اکثر موقعوں پر باتوں کا موقع مل جاتا وہ نہایت دوراندیش علم دوست اور فرشتہ خصلت انسان تھے۔ انکی تحریک سے مسٹر آرنلڈ نے مجھے اخوان الصفا کا ممبر مقرر کیا۔ شوکت صاحب اپنی بات پر اڑے ہوئے تھے۔ یونین کے الیکشن میں انھوں نے میرا نام پیش کر دیا اور میں یونین کی سلکٹ کمیٹی کا ممبر مقرر ہوگیا۔ کالج

سے کے (اتھلیٹیک اسپورٹس) میں میں ایک میل کے دوڑ میں اوّل آیا۔ اسی سال یونیورسٹی اتھلیٹک سپورٹس کا دور شروع ہو گیا تھا۔ محمد زماں خاں و سید عبد الحفیظ، حاجی محمد خاں، شوکت علی صاحب یونیورسٹی اسپورٹس کیلئے الہ آباد جانے کو چنے گئے۔ مجھے بھی مائل ریس کیلئے چنا گیا۔ ہر صبح اکثر مارسین صاحب اور ٹیننگ صاحب کرکٹ فیلڈ میں آیا کرتے کر ٹورنمنٹ میں جانے والوں کو دوڑنے کی مشق کرائیں۔ میں بہت کم ایسے موقعوں پر حاضر رہا۔ کیونکہ صبح ہی میں اپنے رفیق نواب غلام محمد خاں صاحب کے ہمراہ اسی مشق کی خاطر انکے گھوڑے کے ہمراہ دوڑتا قلعہ کو چلا جاتا تھا۔

اول سال کا ٹورنمنٹ الہ آباد میں ہوا۔ محمد زماں خاں اور سید عبد الحفیظ اور حاجی محمد خاں اور شوکت علی صاحب اور میں علیگڈھ سے الہ آباد پہنچ گئے۔ الہ آباد میں مقابلہ سخت تھا۔ کئی چیدہ دوڑنے والے انگریز بھی مقابلہ میں آئے لیکن علیگڈھ کا نمبر اوّل رہا۔ سو گز، چوتھائی میل، ایک میل، ہرڈل ریس میں اوّل انعامات علیگڈھ کے حصّہ میں آئے، اور انکا سہرا محمد زماں خاں، سید عبد الحفیظ کے سر رہا۔ شوکت صاحب کو گولہ پھینکنے میں انعام ملا۔ گولا پھینکنے میں یہ ماشاء اللہ بہادر تھے لیکن دوڑنے میں یہ حالت تھی کہ ہماری گستاخیوں کی سزا کیلئے، یہ ہم کو پکڑنا چاہتے تو بھاگ نہ سکنے کی حالت میں، کھڑے ہو کر گالیاں دیکر جی ٹھنڈا کر لیتے۔ میل کی دوڑ میں میں اوّل آیا۔ مارسین صاحب رخصت گئے ہوئے تھے جس گاڑی سے ہم سب علیگڈھ پہنچے، وہ بھی آگرہ سے آتے ہوئے اسی گاڑی سے آئے۔ راستے میں مجھے دیکھ کر فرمانے لگے، کہ میں نے تم کو تمھاری بیماری اور دل کی کمزوری کے باعث فٹ بال کھیلنے سے منع کر دیا تھا، اور تمھارا فٹ بال جانا بند کر دیا تھا، تم ایک میل کی دوڑ کے پیچھے لگ گئے۔ جب میں نے عرض کیا کہ میں ٹورنمنٹ میں میل کی دوڑ میں اوّل رہا، تو انھوں نے تعجب سے مجھ پر نظر دوڑا کر کہا بہت اچھا ہوا۔

کالج واپس آکر مجھے اطمینان تھا کہ میں اپنے ارادوں میں کامیاب ہو رہا ہوں۔ رات کو سب مشاغل کے بعد جب احباب محمد امین فقیہہ صاحب کے ساتھ میز کے گرد چائے کو بیٹھے تو محمد امین صاحب نے کہا کہ بھائی اب الہ آباد کی آمد سفر کی ساری داستان سناؤ میں نے کہا کہ پہلے تو آپ کو میری نسبت بہت تشویش تھی کہ میں ضرور پاگل ہو جاؤں گا یا خودکشی کر لونگا۔ آپ راز کی تلاش میں تھے کہ سبب کیا تھا۔

میں نے کہا کہ راز فاش ہوگیا منزلِ مقصود کی راہ پر لگ گیا۔ میں کوشش اور مستقل ارادے کا ظہور پاتا ہوں۔ میں اپنی خواہش میں کامیاب ہوگیا یہی پگلا پن تھا۔ یہی تپش اور دیوانگی تھی۔ میرا اور محمد امین صاحب کا خرچ مشترک تھا۔ میں اپنا ماہانہ خرچ انکے ہاتھ دیتا اور وہ میرے اخراجات کے ضامن تھے۔ بجٹ بھی جب تک وہ کالج میں رہے انکے ہاتھ رہا۔ انکے احکام کی تعمیل کرتا جو حکم دیتے بجا لاتا۔ فوراً بات کاٹ کر پوچھا کہ (ہوم اسپورٹس) میں کچھ نقد بھی انعام ملے گا۔ میں نے کہا کہ ہاں (۵۰) روپے کی اُمید ہے تو بہت خوش ہوئے اور فوراً کاغذ پنسل لیکر بجٹ کی کاٹ چھانٹ میں مصروف ہوگئے۔ میں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ امین صاحب سے شروع شناسائی کیسی ہوئی۔ آخر تک چھ سال وہ میرے ساتھ بنگلے کے ایک چھوٹے سے کمرے میں ایک سچی محبت سے بھائی کیطرح رہے اور ادھر بھی ابتک ایک محبت سے بھرا ہوا گوشہ دل انکے لئے خالی ہے۔ محمد امین صاحب ایک نہایت آزاد مزاج، سرد و گرم زمانہ دیدہ، کم گو، فلاسفر، اور محتاط شخص تھے۔ ہمت اور قربانی کا مادہ فوق العادۃ تھا۔ یہ مجھ سے دو سال قبل بی۔ اے ہوگئے۔ جب نیشنل کانگرس کے خلاف بک صاحب نے مسلمانوں کی کانفرنس کا اعلان دیا اور اسٹریچی ہال میں ایک لمبی اسپیچ دی، تو محمد امین صاحب نے بک صاحب کی اسپیچ کے آخر میں کچھ کہنے کی اجازت چاہی۔ اجازت ملگئی، انھوں نے ایک پُرزور فصاحت اور مکمل معلومات سے بک صاحب کی اسپیچ کے خلاف بولنا شروع کیا تھوڑا سا بولے تھے کہ بک صاحب نے بند کر دیا۔ بک صاحب ناراض ہوگئے۔ بی۔ اے پاس کرنے کے بعد انھوں نے بک صاحب سے کسی سارٹیفکیٹ کی تمنا نہ کی۔ بک صاحب نے پوچھا تو انھوں نے اسکی تمنا سے انکار کر دیا۔

"سیلانی"

<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<

پھر بہار آئی ہے، پھر خنداں چمن ہونے لگے ہوئے   پھر بڑھا جوشِ جنوں، پھر زخمِ دل آئے ہوئے

پھونک ڈالا سوزِ غم نے اشکباری اب کہاں   بچ رہے تھے چند آنسو، دل کے وہ چھالے ہوئے

(اشہر)

ہمارا کالج

علی گڑھ ۱۹ مئی۔ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد کو یونیورسٹی کے مختلف شعبوں کی انجمنوں نے وداعی ایڈریس پیش کئے۔

ڈاکٹر ضیاء الدین کی گاڑی گھوڑے سے جدا کردی گئی۔ اور طالب علموں نے اسٹیشن تک اس کو کھینچا۔ طلبا کی بڑی تعداد اسٹیشن پر موجود تھی تاکہ انھیں جاتے وقت خدا حافظ کہے۔

دو زمانہ جنگ کے بعد انگلستان اور براعظم کی تعلیمی ترقی و طریق تعلیم کے معلوم کرنے کیلئے ایک طویل دورہ کریں۔

علیگڈھ مسلم یونیورسٹی میں انگریزی عنصر کے اضافہ کی تجویز پر ہم نے احباب جو کچھ لکھا تھا۔ اس کو ابھی دو تین مہینے سے زیادہ نہیں گزرا ہے۔ اسوقت ہمارے بعض بھائیوں نے کہا تھا کہ یہ بیجا تعصب ہے۔ انگریزوں کی کورانہ مخالفت ہے اور خواہ مخواہ تنگ نظری سے کام لیا جارہا ہے۔ لیکن حال میں مسٹر ولنر کی رپورٹ کے متعلق جو اطلاعات شائع ہوئی ہیں ان سے ان تمام خطرات کی تائید ہوتی ہے جو ہم نے ابتدا میں ظاہر کئے تھے۔ مسٹر وولنر کو ہز اکسلنسی لارڈ ڈیکر نے یونیورسٹی کے قواعد و ضوابط کی تدوین و ترتیب کیلئے مقرر کیا تھا۔ انھوں نے اب غور و بحث کے بعد جو رپورٹ پیش کی ہے۔ اس کا مفاد الٰہ آباد کی ایک اطلاع کے مطابق یہ ہے کہ آئندہ سے ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ تک کی تعلیم کا تعلق الٰہ آباد کے تعلیمی بورڈ سے ہو، اور مسلم یونیورسٹی صرف گریجویٹ پیدا کرنے کی مشین رہجائے۔ یہ اطلاع اگر صحیح ہے، اور بظاہر اسکے صحیح ہونیکی

کوئی وجہ نہیں ہے، تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ حکومت نے جنگ عظیم کے بعد مسلمانوں کے اضطراب کی تسکین کیلئے مسلم یونیورسٹی کا جو بے حقیقت کھلونا مسلمانوں کو دیا تھا اس کو بھی اب وہ واپس لینا چاہتی ہے۔
اوّل تو وہ یونیورسٹی خود ہی ایک اپاہج اور بے اختیار چیز تھی، کیونکہ اپنا نصف کروڑ کے قریب روپیہ صرف کرنے کے بعد بھی اس میں مسلمانوں کو آزاد قومی تعلیم کا حق نہیں دیا گیا تھا۔ لیکن اب اگر ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے اختیارات بھی اس سے چھین لئے گئے تو وہ قطعاً بیکار اور بے معنی ہو جائے گی۔ ہم کو یونیورسٹی کی اس لئے ضرورت نہیں تھی کہ دوسری جگہہ سے لڑکے ایف۔اے پاس کرکے آئیں اور ہم ان کو دو چار سال میں بی۔اے، ایم۔اے، اور ایل ایل بی وغیرہ کی ڈگریاں دیکر واپس بھیجدیں۔ بلکہ ہمارا اصلی مدعا تو یہ تھا کہ ہم ابتداء سے بچوں کو ایک خاص تعلیمی نظام و تربیت کے ماتحت تیار کریں تاکہ وہ کام کے مسلمان بن کر یونیورسٹی سے نکلیں۔ اول تو اس مقصد کو حکومت کی گہری مداخلت اور نگرانی ہی نے بڑی حد تک فوت کر دیا تھا، مگر اب سرمڈولٹن کی تجویز پر عملدرآمد ہونے کے بعد تو وہ بالکل ہی زائل ہو جائیگا۔ اس تجویز سے مسلم یونیورسٹی اور الہ آباد یونیورسٹی میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ پھر جبکہ مسلمان الہ آباد یونیورسٹی سے بھی اتنا ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں تو انھیں اس نام نہاد مسلم یونیورسٹی پر لاکھوں روپیہ ہر سال خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ (اس اطلاع کی تردید کی گئی ہے)

نواب سر مزمل اللہ خاں صاحب بہادر ایک محترم حاکم فرد اور مسلم قوم کے برگزیدہ سردار ہیں، کیونکہ سرسید مرحوم کی پالیسی اور سرسید مرحوم کے تمام روایات کو زندہ رکھا ہے مگر نہایت افسوس ہے کہ آپ کی ذات خاص پر چار پانچ برس سے سخت سے سخت حادثے گزر رہے ہیں جن کی نسبت ہم صرف اسیقدر کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک امتحان ہے کہ پڑھی لکھی نہایت عاقل و نامی صاحبزادی کا انتقال ہو گیا۔ اور اب گزشتہ دنوں آپ کے اکلوتے فرزند رشید کا انتقال ہو گیا۔ گو ایسے حادثے اور ایسے واقعات ہر گھر میں ہوا کرتے ہیں مگر انکا اثر انھیں گھروں تک محدود رہتا ہے لیکن قوم کے کسی سردار پر وہی حادثہ گذرتا ہے تو قوم متاثر ہوتی ہے۔ اور اس کو قومی ماتم کہتے ہیں۔ خدائے پاک ہی جناب نواب صاحب کو صبر دیگا۔ کیونکہ ایسے امتحان کے پہلے وہ صبر کی صورت بھی پیدا کر دیا کرتا ہے۔ ان اللہ مع الصابرین۔ ان اللہ علیٰ کل شئ قدیر۔

اولڈ بوائز

مولانا محمد علی صاحب نے اپنی لڑکی کی شادی کیلئے ۶ رمئی مقرر کی تھی۔ نکاح کا وقت عصر مغرب کے مابین مقرر تھا۔ اسی تاریخ کو طارق سلمۂ کی بسم اللہ خوانی کی رسم کا بھی اعلان کیا گیا تھا (طارق مسٹر زاہد کے صاحبزادے کا نام ہے۔ یہ صاحبزادے مولانا محمد علی کے نواسے اور مولانا شوکت علی کے پوتے ہوتے ہیں) تاریخ شادی سے ایک دو روز پیشتر مولانا محمد علی صاحب کی طرف سے مخصوص احباب کے نام دعوتی خطوط جاری کئے گئے تھے۔ اگرچہ مولانا نے اس تقریب کو انتہائی مختصر کر دیا تھا لیکن پھر بھی دہلی کے روسا، علما، اور تجار کی ایک کافی تعداد تھی۔ رامپور اور لکھنؤ سے بھی مولانا کے بعض احباب تشریف لائے تھے۔ نکاح کے وقت تک تقریباً تین سو مہمانوں کا مجمع ہو گیا تھا۔ ٹھیک ساڑھے چھ بجے جناب حکیم محمد جمیل خاں صاحب نے جو حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم کے صاحبزادے ہیں، بسم اللہ خوانی کی رسم ادا کی۔ بسم اللہ پڑھانے سے پیشتر مولانا شوکت علی صاحب نے ایک مختصر تقریر میں حکیم مسیح الملک کا تذکرہ کیا۔ جس سے حاضرین کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ مولانا نے اپنی تقریر میں کہا کہ اگر آج مسیح الملک ہم میں ہوتے تو اس بچے کو انکی بسم اللہ خوانی کا شرف حاصل ہوتا۔ لیکن آج حکیم صاحب نہیں ہیں تو میں انکے خلف اکبر سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ طارق کو بسم اللہ پڑھائیں حکیم صاحب کی ادائگی رسم کے بعد مولانا شوکت علی صاحب نے مبلغ سو روپے کا ایک چیک جامعہ ملیہ کیلئے ڈاکٹر انصاری صاحب کو پیش کیا۔

بسم اللہ کی رسم کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمیعۃ علماء ہند و مفتی اعظم نے خطبۂ نکاح کی تلاوت کی اور عقد نکاح کیلئے ایجاب و قبول کا فریضہ ادا کیا۔ مولانا محمد علی نے صاحبزادی کے

حیدرآباد تشریف لائے تھے، تو ہم سے اپنی بڑی ہمشیر کی مہربانیوں کو تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے تھے۔ یہ بہن اب خاک کی چادر اوڑھے ہوئے سرزمین وطن میں آرام کر رہی ہیں۔ اور اپنے پیچھے بہت سے سوگوار چھوڑے ہیں۔ مولانا شوکت علی کے سینہ میں جو شوالہ قائم ہے، اُس میں محبت کی مورت کے ساتھ ہی، صبر و شکر کی دیوی بھی پرتو فگن ہے۔ پھر بھی ہم اپنا فریضہ خیال کرتے ہیں کہ اُن کے اور دوسرے افراد خاندان کے ساتھ اس غم میں شرکت کریں۔ خداوند عالم ہمارے گھروں میں سے ایک گھر ان مرحومہ کیلئے بھی جنت میں مخصوص فرمادے، اور ہمارے بزرگوں کا جوار انھیں وہاں بھی نصیب ہو کہ روح و قلب کے لحاظ سے ہم اور اُنکے تقریبًا تمام رشتہ دار ایک ہی ہیں۔

اس موقعہ پر ہم اپنے برادر عزیز مولوی محمد احسن صاحب وکیل (حیدرآباد) کی ہمشیر کی خبر رحلت پاکر کچھ کم اثر پذیر نہیں ہوے۔ یہ مرحومہ بھی علیگڈھ کے نام پر فدا اور اپنے بھائی کی علیگڈھی تعلیم کے ساتھ بڑی وابستگی کا اظہار فرماتی رہتی تھیں۔ پسماندوں میں جن لوگوں کو چھوڑا ہے اُن میں ایک فرزند بھی ہیں، جو ہمارے کالج میں زیر تعلیم ہیں۔ ہمیں مرحومہ کے پسماندوں کے ساتھ دلی ہمدردی ہے، اور دعا ہے کہ خداوند عالم جنت میں اس روح کو اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

ہمارے برادر مکرم مولوی بدر الحسن صاحب علیگڈھ کے بہت قدیم فرزند ہیں، اتنے پُرانے کہ اب تو پوتے کے دادا بھی ہو گئے ہیں۔ انکے تمام جسم کا کوئی بال ایسا نہیں جو سفید نہ ہو گیا ہو۔ اپنی عادت کے مواقف نواب ذوالقدر جنگ بہادر نے انکی ملازمت کے آخری ایّام میں مزید توسیع عنایت فرمادی، اور اسی پر بس نہ فرمایا بلکہ گریڈ میں ترقی دینے کی خواہش کا بھی اظہار کیا، تو دوسرے ہم درجہ ساتھیوں نے اسے اُچک لینے کی فکریں شروع کردیں۔ سعی کرنیوالوں میں سے ایک ناکام اور دوسرے کامیاب ہو گئے۔ بدّو بھیّا نے اِس موقعہ کے مناسب حال ایک قطعہ ارشاد فرمایا۔ بھائی کی چیز پر دوسرے بھائیوں کا حق بھی ہے۔ اس لئے ہم قطعہ کو اُن تک پہنچاتے ہیں۔

زمانہ میں کیا سے یہ کیا ہو گیا — بھتیجا ہمارا چچا ہو گیا
مگر ظاہر الحق کو ذرا دیکھئے — یہ چچا کے چچا کا، چچا ہو گیا

ایک صاحب دل بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ برادر مکرم مولوی اظہر حسن صاحب کے یہاں ڈائننگ روم تیار کیا گیا ہے، اور اس میں حضرت میکائیل کے اہتمام سے پلیٹیں چُنی جارہی ہیں۔ شاید انھوں نے یہ بھی دیکھا کہ جناب اولڈبوائے صاحب بھی میز کا ایک کونا دبائے بیٹھے ہیں۔ خواب کی تعبیر تو کوئی صاحب دل ہی دیں گے، مگر ہم یہ جانتے ہیں کہ اب اولڈبوائز کو مسٹر اظہر حسن سے ایک زبردست ڈنر مانگنے کا حق پیدا ہو گیا ہے کیونکہ ہمارے بھائی نواب ذوالقدر جنگ بہادر کی خصت خاص کے موقعہ پر معتمدی عدالت کی کرسی کو زینت دے چکے ہیں۔ وہ دن دور نہیں کہ ہمارے یہ بھائی شاہراہ ترقی گامزن ہونگے۔ اسلئے ہم پیشگی مبارکباد کے ساتھ یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ جیسے اب نیکنامی کے ساتھ کام کر رہے ہیں آئندہ بھی ایسی ہی سعی فرماتے رہیں ؎

گو بر سر نفس خود امیری مردی　　ور بر دگرے نکتہ نگیری مردی
مردی نبود فتادہ را پائے زدن　　گر دست فتادہ بگیری مردی

میجر نواب حبیب یار جنگ بہادر کے فرزندوں میں سے میجر حبیب محسن کے سوا سب کو علیگڈھ جانے اور وہاں کی تعلیمی فضا سے لطف اندوز ہونے کا موقعہ ملا ہے۔ مسٹر حبیب عبداللہ، مسٹر حبیب محمد اور مسٹر حبیب علی ہمارے اس بیان کے شاہد ہیں۔ کہتے ہیں کہ گذشتہ شادیوں کے موسم میں نواب صاحب موصوف نے اپنے کئی فرزندوں کی شادیاں رچائیں۔ ہم ان میں سے برادرم مولوی حبیب محمد کی تقریب شادی میں شریک ہو سکے۔ اس موقعہ پر کھانا تو ہر مہمان کو بغیر تلاش کے مل گیا، اور بہت سے اولڈبوائز ایک دوسرے کی ملاقات سے قلبی مسرت لیکر واپس ہوئے لیکن دو باتیں موقعہ کے مناسب حال جاذب نظر تھیں انمیں سے پہلی بات تو اُس "ویودا سی" کی صورت تھی، جو مردوں میں دلھن بنی ہوئی، شادی مبارک (دونوں ہی سین) سفقص اپنی باریک آواز میں سنا رہی تھی، اور دوسری ایک دلفریب شے اور بھی تھی جس پر سب کی نگاہیں پڑ رہی تھیں۔ وہ لوگ جنھوں نے اس شادی میں دو صنف جوڑے کو گلے ملتے دیکھا ہے، اس لطف کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ہماری نظر اُس وقت اِن دیو زادوں پر پڑی۔ پیر اور سر کے لحاظ سے تو دونوں میں گز بھر سے کم فصل نہو گا، لیکن کمر کے دور میں صرف چار انگل کا فرق تھا۔ مسٹر کرم اللہ نے

ان دونوں کے نام اپنی مجوزہ سکیم میں درج کر لئے تھے لیکن مسٹر مسعود الحسن کی سیفی نے شائد کام کیا، کہ ابتک یہ تجویز عمل میں نہ آئی۔ بھائی حبیب محمد اور تمام انتظام کرنے والے اطمینان رکھیں کہ سارے مہمان پیٹ بھر کھانا کھا کر واپس ہوئے، اور جی بھر کر گانا سُن کر۔ مبارکباد کو ہم آئندہ موقعہ کیلئے محفوظ اس لئے رکھتے ہیں، کہ چند ماہ بعد ہی اس کی ضرورت پھر پیش آنیوالی ہے۔

یہ معلوم کر کے ہمیں بڑی مسرت ہوئی کہ برادر عزیز مسٹر کاظم رضا رضوی ضلع الہ کے سپرنٹنڈنٹ پولیس مقرر ہوئے ہیں۔ یہ تقرر ہمیں امید ہے کہ برادرم مسٹر اسلام احمد خاں کی جگہہ ہوا ہے، جنہوں نے رخصت حاصل فرمائی ہے۔ ہم دونوں کی ترقی اور استقلال کے دل سے خواہاں ہیں۔ استقلال کا لفظ ہم سب کو پیارا ہے، اسلئے سب کو یہ معلوم کر کے خوشی ہوگی کہ برادر مکرم مولوی ذوالفقار علی حقانی اپنی خدمت صدر مہتممی تعلیمات پر مستقل ہو گئے۔ اسیطرح برادرم خواجہ یوسف الدین صاحب کے جاگیردار کالج میں ترقی کے ساتھ آنے سے سب خوش ہیں۔ اسی کالج سے ہماری برادری کے ایک لائق فرد مسٹر محمد احمد کم ہو رہے ہیں، جن کو اورنگ آباد کالج میں ترقی دی گئی۔

برادر مکرم مولوی وقار الدین صاحب مددگار معتمد مالگزاری (شاخ آبکاری) کے منصب پر مامور ہوئے تو بہت سے مست الست اس فکر میں پڑ گئے ہوں گے کہ اب "راج لنگم" والے باغ سے

چھوٹے چھوٹے جھاڑوں کی میٹھی میٹھی ....

آسانی کے ساتھ مل جایا کرے گی، بلکہ بھائی وقار خود بھی اہتمام میں شرکت فرمایا کریں گے لیکن بدنصیب سے بہتر سامان ہو گیا، اور اب وہ خدمت انکے سامنے پیش کیگئی، جس کیلئے ایک عرصہ تک باوجود سنیارٹی کے ان کو صبر کرنا پڑا تھا۔ ہم خوش ہیں کہ برادر محترم نواب رضا نواز جنگ بہادر کے صوبہ دار ہونیکے بعد ضلع اورنگ آباد کی اول تعلقداری پر ملجانا استحقاق مولوی وقار الدین صاحب کا تقرر عمل میں آیا۔ محکمہ مال کے دوسرے تغیرات میں ہمارے بھائی مولوی غلام احمد خاں صاحب نائب معتمدی مالگزاری سے اول تعلقداری ضلع نلگنڈہ پر مامور ہوئے ہیں۔ اسیطرح محکمہ آبکاری میں برادرم مولوی عبدالقادر صاحب بی۔اے گلبرگہ سے اب تعلقداری آبکاری بلدہ پر حیدرآباد تشریف لے آئے ہیں، منہ میٹھا کر کے ہم مبارکباد دیں گے۔

حیدرآباد دکن کے سررشتہ تعلیمات میں بعض حضرات کو ترقیاں ملی ہیں، اور بعض کا تبادلہ ہوا ہے سنتے ہیں کہ برادرم مولوی محمد احمد صاحب ایم۔ اے جاگیردار کالج سے اورنگ آباد کالج کو تشریف لیجانیوالے ہیں، اور بیدک سے برادرم خواجہ یوسف الدین صاحب ایم۔ اے ایک دوسرے ہی سلسلہ میں جاگیردار کالج میں رونق افروز ہونیوالے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ برادرم مولوی عبدالعزیز صاحب بی۔ اے ایک کے وداع اور دوسرے کے جلوہ کے موقعہ پر زبردست عصرانہ کا انتظام فرمائیں گے؛ جس سے یقیناً ہم ضرور غائب ہونگے۔ اسی سررشتہ تعلیمات کے ایک فرد مولوی مرزا محی الدین بیگ صاحب بی۔ اے کو نظامت طبابت نے اُچک کر اپنے دفتر کا سپرنٹنڈنٹ بنایا ہے۔ سُنا جاتا ہے کہ اس تقریب پر برادرم مولوی لطف احمد صاحب کونین یاسنکونا کی میٹھی ٹکیاں تقسیم کرنیوالے ہیں۔

ہم اپنے بھائی مولوی حافظ علی صاحب کی تلاش میں ہیں؛ جو کبھی بیدر میں تھے۔ رسالہ اب بھی بیدر کے پتہ پر جایا کرتا ہے لیکن اُنکی نسبت اپنے دوسرے بھائیوں کی زبان سے کچھ سننے کے ہم مشتاق ہیں۔

ہمیں اطلاع ملی ہے کہ فرزندان حضرت شاہ جعفر بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وطن قصبہ بھپونڈ ضلع اٹاوہ میں ایک اصلاحی انجمن بنام "انجمن جعفریہ" قایم کی ہے۔ اسکے معتمد ہمارے بھائی سید شبیر حسین صاحب ہیں، اور انکے معاون سید افتخار علی صاحب۔ علی گڑھ کے دو فرزند مسٹر سید اولاد حسین اور مسٹر سید علی بی۔ اے بھی انتظامی کمیٹی میں ہیں؛ جن سے اُمید ہے کہ مقاصد انجمن میں بڑی مدد ملے گی۔ تعلیم و تربیت کے سوا فکر معاش اور صحت قائم رکھنے کے مشاغل ہمارے نوجوانوں کے پیش نظر رہیں تو کامیابی کی ضرور اُمید ہے۔

مسٹر ظہور احمد اور مسٹر نذیر احمد (الہ باد) کے جاننے والے مملکت ہند کے گوشہ گوشہ میں جو د ہیں، مسٹر نذیر احمد ایک مدت سے (اور غالباً تعلیم ختم کرنے کے بعد سے) فن اخبار نویسی کو اختیار کئے ہوئے ہیں، اور ایک سے زیادہ مرتبہ ذاتی اخبارات کو کامیابی کے ساتھ چلا چکے ہیں۔ ہم جب زمانہ میں اولڈبوائے کے ادارت کے بنارس میں ذمہ دار تھے اسٹر نذیر احمد نے الہ آباد سے ہفتہ وار اخبار

"مساوات" جاری کیا تھا اور کامیابی کے ساتھ کئی سال تک اس کو جاری رکھا۔ اسکے بعد تحریک خلافت کے سلسلہ میں بھی ایک اخبار جاری کیا۔ اب "کشاف" کے نام سے ایک اخبار جاری کر کے اسلام اور علیگڈھ کی روح کو تازہ کرنا چاہتے ہیں کئی مہینہ سے یہ اخبار ہمارے پاس آرہا ہے، اور ہم بھائی نذیر کے سنجیدہ مضامین کا لطف منزلوں دور سے اٹھا رہے ہیں صوبہ متحدہ اور الہ آباد کو ایک ایسے اخبار کی ضرورت تھی، جس کو بھائی نذیر احمد نے پورا کر دیا۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ انکے بہت سے دوست اس کام میں ان کا ہاتھ بٹائیں گے۔

ہمیں یہ معلوم کر کے نہایت مسرت ہوئی کہ برادر محترم مولوی محمد عنایت اللہ صاحب کی مدت ملازمت میں، اور دو سال کی توسیع پیشگاہ مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ سے منظور فرمائی گئی ہے، اور اُن کے کام کو بھی قابل اطمینان تسلیم فرمایا گیا ہے۔ غالباً دار الترجمہ کی مدت بھی اسیقدر ہے۔ اگر مولوی عنایت اللہ صاحب ایک اچھے ایٹ ہوم کا انتظام فرماتے ہیں، اور انہیں اپنے احباب اولڈ بوائز کو کشادہ دلی کے ساتھ مدعو فرماتے ہیں، تو ہم بارگاہ خداوندی میں عرض کر کے دار الترجمہ کی مدت میں توسیع کی سعی کریں گے، اور کیا عجب ہے کہ ہماری دُعا مقبول بھی ہو جائے۔

خان بہادر چودھری واجد حسین صاحب ڈائرکٹر حرفت وصنعت ممالک متحدہ آگرہ و اودھ بریلی سے لکھنؤ آرہے تھے جس وقت گاڑی لکھنؤ کے اسٹیشن چار باغ پر پہونچی اور چودھری صاحب مرحوم کے پرسنل اسسٹنٹ اُتارنے کیلئے درجے میں گئے تو چودھری صاحب کو مردہ پایا۔ یہ خبر لکھنؤ میں ۲۸ جون کی سہ پہر کو مشتہر ہو گئی اور سول سرجن نے دیکھکر کہا کہ حرکت قلب بند ہونے کی وجہ سے یہ واقعہ ہوا ہے۔ آپ سجہ ضلع بارہ بنکی کے تعلقداروں میں تھے۔ اور آپ نے اپنی قوت بازو سے اس درجے تک ترقی کی تھی اور جو کام گورنمنٹ نے آپ کے سپرد کیا اس کو عاقلانہ و فرزانہ طریق عمل سے انجام کو پہونچایا اور یہ بالکل صحیح ہے کہ آپ کی طرز عمل سے کسی قوم کو کوئی شکایت نہ تھی۔ خدائے پاک آپ پر رحمت نازل فرمائے اور اعزا و احباب کو صبر۔

کارسازان قضا و قدر نے چھتاری کے ایوان ریاست میں جس بچہ کو احمد سعید خاں کے

نام سے روشناس کیا تھا، اپنی بعد کی زندگی میں "حافظ" اور "نواب" کے ساتھ شہرۂ آفاق ہوگیا۔ تن پر جب قطاً طوالی سر تھا، تو نوابی اور ہوم ممبری پائی، اور جب یہ سراپا، از سر تا پا، "سر" ہوگیا تو کاتبان قضا نے ایک پورے صوبہ کی حکومت سامنے لا ڈالی۔ سر ڈی میں انجہانی کے بعد ذاتی اور قانونی اعتبار سے حق تو نواب سراحمد سعید خان بہادر ہی رکھتے ہیں کہ صوبجات متحدہ کی مسند حکومت پر پہلے ہندوستانی گورنر کی حیثیت سے متمکن ہوں اگر کہتے ہیں کہ وہ "سر" جس کی شہرت مالکم ہیلی کے نام سے ہے۔ اس منصب کے زیادہ حقدار ہیں۔ ہم اپنے بھائی نواب سر احمد سعید خاں بہادر کو انکے نئے اعزاز پر مبارکباد دیتے ہیں۔ اسیطرح ہم دعا کرتے ہیں کہ حضور ملک معظم کی عمر میں خدا برکت دے کہ ہمارے نواب حیدر نواز جنگ بہادر کے خدمات کو شائستہ قرار دیکر انکے مجسمہ پر بھی "سر" کا تاج رکھ دیا۔ حافظ صاحب کو چھوٹا لاٹ بنایا ہے، تو خداوند کریم ہمارے نواب صاحب کو ہندوستان کا بڑا لاٹ بنادے۔ بڑی بڑی دعائیں، بڑے بڑے لوگوں کے حصہ میں آگئیں، اور اب دلی مبارکباد باقی ہے، وہ ہم اپنے بہت پیارے بھائی سید معین الدین کی جناب میں پیش کرتے ہیں، جو اسی موقعہ پر خاں صاحب سے "خان بہادر" بنادیے گئے ہیں۔ برادرم مسٹر مثنیٰ بھی ایسی ہی مبارکباد کے مستحق ہیں۔

ہم اس امر کی ضرورت شدت کے ساتھ محسوس کر رہے ہیں کہ اولڈ بوائز کا ایک زبردست ڈپوٹیشن برادران مکرم نواب فخر یار جنگ بہادر و نواب ناظر یار جنگ بہادر کی ڈیوڑھیوں پر حاضر ہو۔ آپ پوچھیں گے کیوں؟ اسکے لئے ہمارا جواب یہ ہے کہ اول الذکر نے عزیزی مشتاق احمد کے تقرر پر، اور آخرالذکر نے برخوردار مظفر الدین حسن کے تولد پر برادری کی مدارات کا انتظام نہ فرمایا۔ اب ہم ڈنر اور ایٹ ہوم پر مائل نہیں ہیں، بلکہ ان بوریوں کے مزید ارستوؤں کے خواہاں ہیں جو شاہ امان اللہ، یورپ سے اپنی جیبوں میں رکھ کر کابل لائے ہیں۔ ہمارے بھائی ایسا انتظام کرسکے تو ہم ان کو مستحق مبارکباد خیال کریں گے۔

برادرم محمد اسحٰق خاں صاحب ایم اے۔ ایل ایل۔ بی۔ (علیگ) جو قانون مجریہ بار کونسل

مورخہ یکم جون ۱۹۳۸ء کی رو سے ایڈوکیٹ ہو گئے ہیں۔ اپنی سرگرمیوں کو قومی تحریکات کی طرف نہایت تندہی سے مبذول کر رہے ہیں۔ چنانچہ آپ نے حال ہی میں مسلم یتیم خانہ بستی کیلئے ایک ٹرسٹ قائم کیا ہے۔ آپ کی کوششوں سے وندیا کمیٹی نے ٹرسٹ کو پانچسو روپیہ کا ایک چک روانہ فرمایا ہے جو ۱۶ مرجون کو مل گیا۔ اور ایک غریب مسلمان طالب علم کو چھ روپیہ ماہوار کا وظیفہ بھی اسی جگہ سے منظور ہوا ہے۔ بھائی محمد اسحٰق خاں صاحب دیگر مقامات اور مقامی طور پر بھی مسلم یتیم خانہ کے لئے کافی فنڈ جمع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور امید ہے کہ بہت جلد مسلم یتیم خانہ کی عمارت کی بنیاد پڑ جائے گی جو مسلمانان بستی کے قومی تحریکات میں مرکزیت قائم کر کے ایک نئے باب کا آغاز کریگی۔ ہم مسٹر محمد اسحٰق خاں صاحب کو انکی ان مخلصانہ سرگرمیوں پر تہ دل سے مبارک باد دیتے ہیں۔ اور دعا گو ہیں کہ خداوند کریم اُنکے خلوص و نیک نیتی و توفیق خیر میں برکت عطا فرمائے۔

میجر محمد شفیع ہمارے بھائیوں میں اپنی سیرت کے لحاظ سے خاص مرتبہ رکھتے ہیں۔ طالب علمی کے زمانہ میں یہ ہمارے مولانا شوکت علی صاحب کے ولایتی پُرزے (اور ہمارے دیسی پرزے) کی حیثیت سے خاص اہمیت رکھتے تھے، اور اپنے تمام ساتھیوں میں اسوجہہ سے ممتاز رہے کہ حاضر الوقت طلبہ کی مدارات میں ہمیشہ سعی بلیغ سے کام لیتے تھے۔ تسبیح اسوقت بھی اُنکے ہاتھ میں تھی، اور اب تو بڑھ کر کنٹھا ہو گئی ہے۔ تعلیم سے فارغ ہو کر سرکار آصفیہ کی فوجی ملازمت میں شریک ہوئے، اور چالیس سال میں چیف آف دی اسٹاف کے منصب تک ترقی پاکر اب وظیفہ حسن خدمت پر گھر بیٹھے ہیں۔ ہمارے بھائی کے خدمات پسندیدہ کے باب میں، جو فوجی جریدہ شایع ہوا ہے، اس سے میجر حاجی محمد شفیع کے مرتبہ کا کافی اظہار ہوتا ہے۔ ہمیں اس کو پڑھکر بڑی مسرت ہوئی۔ میجر صاحب کے بعد ہمیں بڑی خوشی ہوئی کہ انکے فرائض ہمارے بھائی میجر عبدالجبار صاحب کے سپرد کئے گئے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ یہ بھی اپنے سرکاری خدمات کو ایسی ہی تن دہی سے انجام دیں گے، جیسے کہ ابتک انجام دیتے رہے ہیں۔ بھتیا۔ اس خوشی پر دعوت نہ دی تو کچھ نہ کیا۔

جامعہ خواتین ہند پونا، اپنی قسم کی پہلی یونیورسٹی ہے، جس کا قیام شریمتی نتھی بائی دامودھر

ٹھاکرسی کے نام پر کیا گیا ہے۔ ۱۰ جون ۱۹۲۶ء کو اس کے افتتاح کی غرض سے باشندگان شہر پونا وصوبہ بمبئی کا جو اجتماع ہوا تھا، اس کے کشود کار کیلئے ہمارے برادر کرم نواب مسعود جنگ بہادر کو یاد فرمایا گیا تھا۔ باوجودیکہ حیدرآباد نمایاں طور پر ہزاروں تعلیم یافتہ اپنے آغوش محبت میں لئے ہوئے، اور شاہراہ تعلیم پر نہایت سرعت کے ساتھ ہر حصہ ملک میں ہزاروں نوجوانان گامزن ہیں لیکن پونا کے رہنے والوں کی نگاہ میں اب تک اس کو تعلیمی اہمیت حاصل نہیں ہوئی ہے۔ یہ شائد اس وجہ سے ہے کہ اس باب میں چند دھن کے پکے سرزمین دکن پر پیدا نہیں ہوئے، جو گلاب کی بوئے خوش کے مانند تمام مملکت ہند کی فضا کو عطر آگین کردیں۔ باشندگان پونا چاہتے تھے کہ تعلیم حیدرآباد کے قائد نواب مسعود جنگ بہادر کی زبان سے اپنے اس خیال کی تصدیق کرلیں لیکن ان کو شائد اس کی خبر نہ تھی کہ جو شے انکے نزدیک نہایت اہم ہے، وہ ہمارے بھائی کے لئے پیش پا افتادہ چیزوں سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ ہمارے اس دعوے کی دلیل خود نواب مسعود جنگ بہادر کی وہ افتتاحی تقریر ہے، جو پونا میں نہایت ذوق وشوق سے سنی گئی، اور جو روزانہ اخبارات کے ذریعہ ناظرین اولڈبوائے کے بیشتر حصہ کے سامنے آچکی ہے۔ بھائی مسعود قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے برمحل اپنی قابلیت اور جوالا مکھی شخصیت کا سکہ باشندگان پونا کے دلوں پر بٹھا کر حیدرآباد کی لاج رکھ لی اور ظاہر کردیا کہ حیدرآباد درحقیقت وہ حیدرآباد نہیں ہے جیسا کہ اغیار نے مشہور کر دکھا ہے۔ کاش کہ حیدرآباد آپ کی خدمات سے مستفید ہوتا اور آپکو متعدد ایسے مواقع ملتے کہ ملک اور اہل ملک کی وہ حقیقی خدمت انجام دیجاتی جس کی بحالت موجودہ سخت ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ [illegible] کہ ہمی [illegible] میں برادران مولوی عبدالحق، مولوی محی الدین، اور مولوی سجاد مرزا بھی علیگڈھ کے ایک دوستہ کے ساتھ اس موقعہ کا تماشہ دیکھنے تشریف لے گئے تھے، اور وہاں بھی ٹھیرے۔ کھانے پینے میں کوئی تکلف نہیں کیا۔ بھائی کے وطن کے کباب تو پونا میں کہاں میسر آئے ہونگے لیکن دال بھات کی شائد وہاں بھی کمی نہوئی ہوگی ہاں۔ یاد ش بخیر، مولوی عبدالحق صاحب جوار کے روٹیوں کے کٹی ٹوکرے اور نگ آباد سے بھائیوں کیلئے لے جانا چاہتے تھے لیکن گلبرگہ اور حیدرآباد کے کھنڈروں نے مولویصاحب کے

اس تبرک کو راستہ ہی میں اُچک لیا۔

ہمارا نوٹ مشکل ہی سے ختم ہونے پایا تھا کہ آخر شش ہمیں افسوس کے ساتھ نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات سرکار آصفیہ کے وظیفہ حُسن خدمت پر سبکدوش ہو جانے کا اعلان کرنا پڑا نیز یہ بھی کہ وہ ۲۸ ر جولائی کی صبح کو بعزم انگلستان راہی بمبئی ہوے۔ الوداع کے موقعہ پر ہمارے بھائی کو حیدرآباد نے جس دل اور جس طریقہ سے خدا حافظ کہا ہے، اسکی مفصل کیفیت ہم آیندہ پرچہ میں درج کریں گے۔

"نیو انڈیا" کا نئی دہلی کا نامہ نگار بذریعہ تار اطلاع دیتا ہے:۔ بھوپال سے آئی ہوئی خانگی اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہز ہائینس نواب بھوپال کو چند روز قبل ایک سخت حادثہ پیش آیا جب کہ آپ پولو کھیل رہے تھے آپ کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔ ڈاکٹر انصاری کی جو تار کے وصول ہونے پر فوراً دہلی سے روانہ ہوگئے۔ کل تک یہاں پہنچ جانے کی توقع تھی لیکن آپ کو بھوپال میں زیادہ عرصہ تک ٹھہرنا پڑیگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ نوابصاحب کا مزاج ابھی بہتر نہیں ہوا ہے اور ہز ہائینس ابھی بستر علالت پر ہیں۔ ہم خدا سے دُعا کرتے ہیں کہ شافی مطلق حضور ممدوح کو جلد صحت عطا فرمائے۔

نوٹ۔ حضور ممدوح اب بفضلہٖ بعافیت ہیں۔

اولڈ بوائز ڈائرکٹری

علیگڈھ اولڈ بوائز!

براہ کرم علیگڈھ اولڈ بوائز ڈائرکٹری (خزینۃ الکرام) میں اپنے حالات درج کرنے کی غرض سے مندرجۂ ذیل سوالات کے جواب عنایت فرمائیں۔

۱۔ نام معہ ولدیت وسکونت۔ مقام و تاریخ پیدائش۔

۲۔ تعلیم کی ابتدا کب اور کہاں ہوئی۔ علیگڈھ میں کس جماعت میں داخل ہوکر کہانتک تعلیم پائی۔ تعلیم کے زمانہ کے خصوصیات و امتیازات (اگر کچھ ہوں)

۳۔ علیگڈھ میں تفریحی مشاغل کیا تھے، اور ان میں کیا نام پیدا کیا۔

۴۔ علیگڈھ میں عملی طور پر کن کاموں میں شرکت کا موقع ملا مع اسکے نتیجہ کے۔

۵۔ علیگڈھ سے باہر جاکر کس قسم کی زندگی اختیار کی اور اسمیں کہانتک کامیابی ہوئی۔

۶۔ ملک میں یا بیرون ملک کوئی اہم سفر کیا ہو تو اس کا ذکر۔

۷۔ ملک کی علمی، ادبی یا شعری خدمت انجام دی ہو تو اس کا تذکرہ۔

۸۔ شادی کب اور کہاں ہوئی۔ اولاد کی تعداد فرزندوں کے نام

سید منظر علی

دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

اولڈ بوائے



مضمون	مضمون نگار	
ہمارا مطبع	"نیاز مند"	
کلام ضامن	حضرت ضامن	
گوالیار کی کھلنڈرا	جناب مسٹر ناظر حسن انصاری صاحب	
مہذب شاعری	جناب خفا کشش کرانی صاحب	
ہمارا ابینٹ	جناب خواجہ علاء الدین صاحب	
غزل	جناب مولوی محمد اصغر صاحب بیرسٹر ایٹ لا	۱۴
لاہور سے	جناب مسٹر اشفاق علی صاحب	۱۵
جزیرۃ العرب	"غازی"	۱۸
قل درس بیچتا ہوں (نظم)	جناب شہرت	۲۵
میں علیگڈھ میں	جناب مولوی محمد صمصام الدین حیدر صاحب	۲۷
شرح دیوان غالب	جناب ضامن صاحب کنتوری	۳۱
ہملٹ سے دو دو باتیں	جناب مولوی سید وزیر حسن صاحب	۳۶
ہمارا کالج	----------	۴۲
اولڈ بوائز	----------	۴۴

علی اشہر مدیر و ناشر نے مکان نمبر ۱۲ سلطان پورہ حیدرآباد دکن سے شائع کیا

نمونہ ۸ر — قیمت فی ضمیمہ

ہندوستان

کالونی ہو فرمجلہ آپ کی نظر سے ایسا نہ گذرا ہوگا جس نے مولوی عظمت اللہ خان بی۔ اے (مرحوم) کی دلکش نظمیں شوق و تقاضے سے شایع نہ کی ہوں اور ان کو اردو شاعری کی نئی تراش خراش کے دلدادوں نے مقبولیت کی نگاہوں سے نہ دیکھا ہو۔ ممکن ہے کہ آپ نے بھی مرحوم کی نظمیں اور منظوم ترجمے دیکھے اور پسند کئے ہوں' اسی لحاظ سے بصرف زر کثیر ان تمام نظموں کو یکجا کر کے بہایت اعلیٰ پیمانے پر اسکی طباعت کا انتظام کیا گیا ہے۔ مصنف مرحوم خود اسکی طباعت کا ارادہ رکھتے تھے مگر وہ اپنی بیوقت موت سے مجبور رہے ان نظموں کے مجموعے کے لئے

سُریلے بول

انہیں کا مجوزہ نام ہے جس میں انوکھی اور غیر مانوس ہندی بحروں کو اردو شاعری میں اس خوبصورتی سے یکجان کیا گیا ہے کہ ہر اردو اور ہندی داں اس ندرت پر بے اختیار "واہ" کہہ اٹھتا ہے۔ ہماری گذشتہ استدعا پر جن حضرات کی اب تک فرمایشات آچکی ہیں وہ محفوظ کر لی گئی ہیں۔ اس کی قیمت صرف دو روپیہ مقرر کیگئی ہے آپ بھی اپنی فرمایش پتہ ذیل پر محفوظ کرا دیجئے۔

منیجر اولڈ بوائے سُلطانپورہ حیدرآباد دکن



یہ امر بحث کا محتاج نہیں۔ کہ بچوں کے نشو و نما کیلئے کھانا سب سے ضروری عنصر ہے۔ لیکن کالج اور یونیورسٹی میں کھانے کے متعلق ہمیشہ شکایات رہی ہیں۔ اسمیں شک نہیں۔ کہ ایک ہی باورچیخانہ میں ہندوستان کے مختلف حصص اور بیرونجات کے رہنے والے طلباء کے حسب پسند کھانا نہیں پک سکتا۔ لیکن شکایات کھانے کے ذائقہ تک محدود نہیں، بلکہ بیان کیا جاتا ہے، کہ کھانا کافی نہیں ملتا۔ اور ناقص ہوتا ہے۔

یہ شکایات اسقدر عام ہو رہی ہیں۔ کہ اندیشہ ہے کہ طلباء کے والدین اور ولی اُن سے متاثر ہونگے، اور یونیورسٹی کو نقصان پہونچیگا۔

جناب والا کالج اور یونیورسٹی کے تواریخ کے ہر شعبہ اور مرحلہ سے واقف ہیں، اسلئے پرانے قصوں کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ اسیقدر عرض کرنا کافی ہوگا، کہ ڈائننگ ہال کی اصلاح کیلئے وقتاً فوقتاً کوششیں ہوتی رہی ہیں۔ لیکن محض اسوجہہ سے کہ اصل مرض کا علاج خیال میں نہ آیا، وہ سب عبث ثابت ہوئیں۔

مخدومی صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے اپنی سہ سالہ وائس چانسلری کے کام اور تجربہ کے متعلق جو نوٹ حال میں ممبران یونیورسٹی کورٹ کے ملاحظہ کے لئے شایع فرمایا ہے، وہ یقیناً جناب والا کی نظر سے گذرا ہوگا۔ اسکے باب دوازدہم صفحہ ۸ پر ڈائننگ ہال کا تذکرہ ہے۔ موصوف نے قابل اعتراض امور درج کرکے اپنی ناکامی کی وجوہات بیان کئے ہیں۔

صورت موجودہ کا خاکہ میڈیکل افسر صاحب نے یونیورسٹی کی رپورٹ بابت سنہ ۲۶ء کے ضمیمہ

صفحہ ۲۵ پر ان الفاظ میں کھینچا ہے:۔

"ہاضمہ کے مریضوں کی تعداد کم کرنے کے ذرائع مجھ کو ابھی تک نہیں ملے،میں خاص طور سے توجہ دلاتا ہوں، کہ باورچیخانہ میں اصلاح کرنے کیلئے ہر قسم کے کوشش ہونی چاہیے، تاکہ کھانا خوش ذائقہ اور کھانے کے قابل ہو۔ اسطرح سے ہسپتال کے کام میں بہت تخفیف ہوسکتی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ تندرست طلباء یونیورسٹی میں داخل ہونے کے تھوڑے عرصہ بعد امراض ہاضمہ اور پیچش وغیرہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں"۔

میڈیکل افسر صاحب کی رپورٹ بنام پرووسٹ صفحہ ۳۸ پر درج ہے۔ اسکی ملاحظہ سے جناب والا پر روشن ہو جائیگا، کہ انھوں نے باورچیخانہ، کھانا پکانے کے طریقہ، اور کھانے پر سخت اعتراضات کئے ہیں۔

ڈائننگ ہال کے نقائص بدستور موجود ہیں۔ اصل قصہ یہ ہے کہ یہ محکمہ چند پختہ کاروں کے قبضہ میں ہے۔ جو ہر ایک اصلاح میں نہایت کامیابی سے روڑے اٹکاتے ہیں، اور بچوں کے شکایات کو ادہر ادہر کی باتوں سے ٹال دیتے ہیں۔ جن اصحاب کو بچوں کے پیٹ کاٹ کر اپنی جیب بھرنے کا چسکا پڑگیا ہے، ان سے اصلاح کے توقع عبث ہے۔ اس بارے میں اپنا تجربہ عرض کرتا ہوں۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے نومبر گذشتہ میں سکول کا کھانا علیحدہ کیا۔ اور میری چند تجاویز پر عمل فرمایا۔ مجھ کو معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ یونیورسٹی اسٹاف اکونٹنٹ آفس اور باورچیوں نے ہر قسم کے رکاوٹیں پیدا کیں۔ ہوس ماسٹر صاحبان بھی امداد پر چنداں آمادہ نہ ہوئے۔ لیکن انتظام میں بچوں کا دخل زیادہ تھا۔ اسلئے کھانے میں رفتہ رفتہ اصلاح ہوگئی۔

علی گڈھ میں اور دیگر مقامات پر جب میں طلباء سے ملتا ہوں تو یونیورسٹی کے حالات دریافت کرتا رہتا ہوں۔ ڈائننگ ہال کی بابت مجھو معلوم ہوا ہے کہ:

(۱) عملہ کو ٹھیکہ دار مختلف طریقوں سے خوش رکھتا ہے۔ اسوجہ سے ناقص جنس قبول کرلیجاتی ہے۔

(۲) کھانے کیلئے پوری جنس نہیں دیجاتی۔

(۳) نگرانی کرنے والوں کو باورچیخانہ کا عملہ خوش رکھتا ہے۔ اسواسطے باز پرس نہیں ہوتی۔

(۴) کھانے کی تیاری کے وقت باورچی مختلف طریقوں سے گھی اور کھانا غائب کرلیتے ہیں۔

(۵) اساتذہ کے مقبول طلباء عموماً مانیٹر مقرر کئے جاتے ہیں۔ جن کو باورچیخانہ کے منتظم اچھو اور

انواع و اقسام کے کھانے دے کر خوش رکھتی ہیں اسلئے بچوں کی شکائت افسرانِ مجاز تک نہیں پہنچ سکتیں اور اگر پہنچ بھی جاتی ہیں تو شنوائی نہیں ہوتی ۔

میری رائے ناقص میں ڈائننگ ہال کی اصلاح اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس کا انتظام کم و بیش فوجی طریقہ پر کیا جاوے۔ یعنے جنس یک جا ایک کمیٹی کی نگرانی میں خریدی جاوے۔ اور یونیورسٹی میں متعدد (Mess) بنائے جاویں جن کو راشن تقسیم کیا جاوے اور کھانا کھانے والوں کی نگرانی میں تیار ہو۔

جنس خریدنے والی کمیٹی کے صدر ایک ممبر کورٹ ہوں مثلاً کرمی حاجی محمد صالح خاں صاحب جن کی دیانت ہمدردی اور تجربہ مسلمہ ہے۔ اس کمیٹی کے تین ممبر ہوں۔ ایک طلباء یونیورسٹی کا نامزد کردہ دوسرا طلباء انٹرمیڈیٹ کالج کا اور تیسرا طلباء اسکول کا۔ ہر مہینے کے بعد ممبر طلباء بدل دیے جائیں۔ ہر ایک بورڈنگ ہوس کا باورچیخانہ علیحدہ ہو جسکی عمارت اور سامان اصول حفظانِ صحت کے مطابق ہو۔ ہر ایک باورچیخانے میں روزمرہ تین طلباء نگرانی کریں۔ پہلے کا فرض ہوگا کہ طلباء کی تعداد کے مطابق جنس وصول کرے اور اطمینان کرے کہ جنس نمونہ کے مطابق اور عمدہ ہے۔ دوسرا کھانا پکنے کے وقت اور تیسرا کھانا اتارنے کے وقت موجود رہے۔

ان طلباء کے تقرر کا مدار اساتذہ کی مہربانی اور پرورش پر نہ ہو بلکہ ہر ایک طالب العلم باری باری اس فرض کو انجام دے۔ یہ چنداں مشکل نہیں اگر ایک بورڈنگ ہوس میں ایک سو طلباء ہیں۔ تو ہر ایک طالب علم مہینے میں ایک دن نگرانی کا ذمہ دار ہوگا۔ اس طریقہ سے کسی طالب علم کو جرأت نہ ہوگی کہ عملۂ ڈائننگ ہال سے مل کر بچوں کا پیٹ کاٹے کیونکہ باقی طالب علم اس کو فوراً سیدھا کر سکتے ہیں۔ اساتذہ کے نامزد طلباء کو اطمینان ہوتا ہے کہ ان کا آسانی سے کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ جب انتظام خود کھانے والوں کا ہوگا۔ تو بہت سی شکایات رفع ہو جاویں گی۔ علاوہ ازیں بچوں میں کھانے کا اہتمام کرنے کا مادہ پیدا ہوگا۔

یونیورسٹی کے موجودہ فضا کے لحاظ سے میں اس امر کا سخت مخالف ہوں کہ کھانے کا انتظام اساتذہ کے یا ان نامزد طلباء کے ہاتھ میں ہو۔ دنیا کی آجکل کے روشنی بھی یہی تقاضا ہے کہ رعایا یا بالفاظ دیگر طلباء کے نامزد کردہ طالب علموں کے ہاتھ میں یہ کام ہو۔ اس وقت ڈائننگ ہال کی کیفیت ایک مطلق العنان بادشاہی کی ہے جس میں رعایا کی شنوائی نہیں۔

میں جانتا ہوں کہ ڈائننگ ہال کی اصلاح میں قدم قدم پر مشکلات کا سامنا ہی۔ پرانے ماہرین، فن طرح طرح کے رکاوٹیں پیدا کریں گے، اور علٰحدگی کی دھمکیاں دیں گے لیکن مجھے یقین ہی کہ حوصلہ اور استقلال سے جناب والا ان سب مشکلات پر قابو پاسکیں گے۔ ممکن ہے کہ نئے انتظام سے خرچ کچھ بڑھ جائے لیکن موجودہ فیس پر بچوں کا بھوکا مرنے سے یہ بدرجہا بہتر ہے، کہ ان سے ایک روپیہ ماہوار زیادہ لیکر پیٹ بھر اچھا کھانا دیا جاوے۔

ایک طرف یونیورسٹی کی شہرت اور قوم کے بچوں کی نشو و نما ہے اور دوسری طرف چند خود غرض ہستیاں، جن سے بہتر آدمی آسانی سے مِل سکتے ہیں تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ ایک دو یا دس بیس آدمیوں کے علٰحدگی سے دنیا کے کاروبار کبھی نہیں رکے۔

اس کار خیر میں قوم کے ہمدردی اور بچوں اور انکے والدین کی دعائیں آپکے ساتھ ہونگی! اور آپ کی سعی باعث خوشنودی ہوگی اس پاک بے نیاز کی جس نے یہ بار امانت آپکے کندھوں پر رکھا ہے۔

"نیازمند"

کلکتہ۔ پہلی اپریل (فولز ڈے) ۲۸ء سہ پہر۔

بجیّام ب۔ (کارڈ) کاش (شکریہ) میری حالت میں فرق ہے۔ گر ابتک نہ مرض گیا ہے اور نہ لکھنے پڑھنے کا حکم ملا ہے۔ یہ دو سطریں اِس طرح چوری سے لکھ رہا ہوں جسطرح کبھی چھوکریوں کو "پرزہ" اڑایا جاتا تھا!

اولڈبوائے کا تازہ نمبر دیکھ کر پھڑک گیا۔ تم کمبخت اب بہت خوب لکھنے لگے۔ جورو آ کو سلام اور بچوں کو دعا کہدو۔ چاچا اور چاچی۔ امیر نواب کا گڈ آفٹر نون قبول کریں۔

'ن'

کلام ضامن

به کوردل همه گر طور توتیا بخشند
سواد چشم شعورش که از کجا بخشند

نصیب زاغ و زغن باد طعمهٔ مردار
بس است اینکه به ما قسمت هما بخشند

نشان منزل مقصود شان مجوی از موج
ام اختیار خدائی به ناخدا بخشند

نثار رحمت آنانکه ناشنیده سوال
نظر به حال گدا کرده مدعا بخشند

سواد دیدهٔ دل گر نصیب شیخ شود
هر آنچه وعده به فرداست حالیا بخشند

مگو که دشمن جانست ادای معشوقان
فراغ از غم هستی به یک ادا بخشند

ق

نخواهد اینکه کرامت کنند منطق طیر
زبان حیرت آهنگ بی صدا بخشند

بس است تخت صبا شوکت سلیمان را
مرا رسد که سبک جانئی صبا بخشند

بیا و تن برضا ده که هیچ نتوان گفت
که مالکان قضا و قدر چها بخشند

نه دیده که به اعمی دهند سرمهٔ طور
به چشم دیده وران زود دل عمی بخشند

ز نوک خار به پهلوی گل شگاف زنند
به آب زنگ دل سنگ را ضیا بخشند

چه حیله ها که به صیاد سفله آموزند
به عندلیب نوا گر اگر نوا بخشند

کریم را کف خاکی به جیب اندازند
لئیم را خبر از راز کیمیا بخشند

به لخت دل صلحا را کنند روزه کشا
ز مرغ و بره به اشرار ناشتا بخشند

عنبد و دوشش گر انبار خلعت زرتار
شهید را کفن از خاک کربلا بخشند

مجال دم زدن اینجا نباشد ای ضامن
به لطف هرچه ببخشندش بجا بخشند

ضامن کنتوری

گوالیاری کھلنڈرا

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا

ڈیر منظر - السّلام علیکم - جنوری کا پرچہ آج ۸ مارچ کو پہنچ گیا -
رسالہ میں بھائی سلطان حیدر جوش کی چند سطریں سیلانی میاں کی یاد آیّام ہمارا کالج، اولڈ بوائز کے حالات پڑھکر ایک گونہ خوشی ہوئی - بھیّا منظر میں نے پیاری کالج کے بورڈنگ میں (۲۲) برس گزارے اور دل چاہتا ہے کہ کچھ حالات لکھدیا کروں مگر گوالیار کی گرمی الامان الحفیظ - یہ گرمی وہ گرمی ہے کہ جس نے میرے چند حیدرآباد کے دوستوں کو باوجود انکے وعدوں کے گوالیار اسٹیشن پر اُترنے سے روک دیا اور صرف کھڑکی گراکر گوالیار اسٹیشن کی شکل دیکھی ہی تھی کہ معلوم ہوا کہ دوزخ کا منہ کھول دیا گیا ہے - سنا ہے کہ فوراً کھڑکی کا دروازہ بند کردیا گیا اور گوالیار پر یا اپنے دوست انصاری پر (ڈاکٹر انصاری پر نہیں) لعنت ملامت کرتے ہوے اور ڈاک گاڑی کے پنکھوں کی گرم گرم ہوا کھاتے ہوے روانہ ہوگئے - بھیّا منظر سنا ہے کہ اسوقت آپ بھی موجود تھے - اب آپ انصاف کیجیے کہ کون شریف آدمی ایسی گرمی میں مضمون نگاری کرسکتا ہے - یہاں مارچ سے اکتوبر تک گرمی کی یہی حالت رہتی ہے - رہے سردی کے چار مہینے وہ ایسے کھیل کود کے انتظامات میں صرف ہوجاتے ہیں کہ نہ اپنی خبر رہتی ہے نہ دوسرے کی -

خدا کے فضل سے اولڈ بوائز کی تعداد اسوقت بڑی زبردست ہے اگر دوسرے تیسرے مہینہ بھی ایک آدھ اپنے پرانے زمانہ کے حالات لکھدیا کریں تو بھی غنیمت ہے -

مجھے سخت تعجب ہے کہ برادران بھوپال کیوں خاموش ہو رہے ہیں۔ اپنے پیارے بھائی سید محمد خاں سے سخت شکایت ہے کہ جب سے حیدرآباد سے اولڈبوائے نکلنا شروع ہوا ہے انکا چٹکیلا مضمون ایک بھی نہیں نکلا۔ میں خاص طور سے حسب ذیل احباب کی طرف آپکو توجہ دلاتا ہوں، ان سے اپیل کی جاوے کہ وہ اپنے رام کہانیاں اولڈبوائے کو سنادیں تاکہ اسکی طرف دلچسپی بڑھے۔

سید محمد خاں، حسن محمد حیات صاحب، اُستاد وزیر صاحب، قاری سرفراز حسین صاحب، بھونڈو، اسلم، ڈاکٹر ناظر الدین حسن صاحب، خان بہادر عبدالحمید خاں ڈپٹی کلکٹر مہوبا، آفتاب عمر صاحب بیرسٹر، فاروق صاحب علی گڈھ، حافظ بشیر صاحب ڈپٹی کلکٹر، محبوب عالم صاحب ڈپٹی کلکٹر، انور علی صاحب ڈپٹی کلکٹر علی رضا صاحب بلگرامی، عزیزاللہ صاحب گلاب جامن، عبدالوہاب صاحب الخیری دہلوی، بیرسٹر باسط علی صاحب بیرسٹر اقبال علی صاحب میسوری، قاضی تلمذ حسین صاحب، محسن علی صاحب کلکتہ، احمد کمال خاں صاحب فتحپوری، نذیرالاسلام صاحب، کہاں تک نام لکھوں آپ اپیل کیجئے شاید یہ صاحبان رام ہو جاویں۔

ایک میری تجویز آپ کیلئے یہ ہے کہ ہر ماہ کے اولڈبوائے میں اخیر میں اُن تمام اولڈبوائز کے نام معہ پتہ کے شایع کر دیا کیجئے کہ جو اولڈبوائے کو خرید رہے ہیں۔ اسیطرح جو ایک دو نام زیادہ ہوتے جاویں شایع کرتے رہیئے تاکہ اس سے کم ازکم پُرانے دوستوں کے نام ہی پڑھ کر طبیعت خوش ہو جایا کریگی، کہ کون کون زندہ ہے، کہاں ہے، کیا کر رہا ہے۔

خدا کے فضل سے حیدرآباد میں اس وقت سب سے زیادہ اولڈبوائز ہیں، اور قابل ہیں کیا وہاں اتنے شاعر نہیں کہ کبھی کبھی کوئی مشاعرہ ہو جایا کرے اور انکی نظمیں اولڈبوائے میں شایع ہو جایا کریں

اپنے پیارے کالج کے موجودہ کپتانوں اور یونین وغیرہ کے افسروں سے اپیل کیجئے کہ وہ اپنے مختصر حالات تحریر فرمادیا کریں تاکہ ان کو پڑھ کر یک گونہ خوشی ہوا کرے۔

یہ کوشش ہونی چاہیے کہ چاروں طرف کے اولڈبوائز کے حالات شایع ہوا کریں ورنہ اولڈبوائے صرف حیدرآبادی اولڈبوائے ہو جاویگا۔

ایک خدمت جو آپ انجام دے سکتے ہیں اس کو بھی اپنے ذمہ لیجئے جن اولڈبوائز کو خداوند عالم نے اس

اس قابل کیا ہے کہ وہ دوسرے بھائیوں کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں ان سے اولڈبوائے میں ٹرنٹ چھپوایا کیجیے تاکہ اکثر بھائی آپ کے ذریعہ سے کسی کام پر لگ جائیں۔ اوران کو اچھے کام کرنے والے اپنے بھائی مل جائیں۔ (ضرور۔ اولڈبوائے)

اولڈبوائے کے ذریعہ سے شادیاں کرائیے! اسکی تدابیر آپ خود سوچ سکتے ہیں۔

بہت سے اولڈبوائز ولایت آتے جاتے رہتے ہیں انکے مختصر حالات تحریر کیجیے تاکہ دوسروں کو کم ازکم ناول کا ہی مزہ آجاوے۔

آپ کے اکثر اولڈبوائز حج شریف کو بھی جاتے رہتے ہیں اُن سے عرض کر کے وہاں کے حالات درج کیجیے تاکہ آئندہ جانے والوں کو اُن سے فائدہ حاصل ہو اور معلومات بڑھیں۔

روشنائی بوجہہ گرمی کے سوکھ گئی ہے اسوجہہ سے پنسل سے کام لیا ہے۔ اردو میں بالکل بھول گیا ہوں کیونکہ یہاں مرہٹی اور ہندی سے سابقہ پڑتا ہے اسوجہہ آپ مہربانی فرماکر اردو مضمون کو بھی درست کرلیجیے گا۔ میں نے صرف خیالات ظاہر کئے ہیں۔

ہاکی ٹیم ہندوستان سے منتخب ہو کر ولایت گئی ہے اس میں ہمارا ایک اولڈبوائے فیروز (لاہوری) بھی گیا ہے مگر علی گڈہ میں انھوں نے اس کھیل کو نہیں سیکھا ہے اسوجہہ سے علی گڈہ کو کوئی فخر نہیں ہو سکتا۔ فخر اس وقت تھا کہ کم از کم نصف درجن علی گڈہ کے ہوتے۔ اس سے یہ ضرور ثابت ہے کہ ہمارے علی گڈہ کے گیمس فی الحال زوال میں ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں جہاں طلبہ ہوں۔ وہاں سے نصف درجن ہاکی کھیلنے والے ایسے نہ نکلیں کہ ہندوستان کی منتخب ٹیم میں شریک ہو سکیں۔ سوائے افسوس اور کیا ہے۔

اولمپک گیمس کی بھی ایک ٹیم ولایت جانیوالی ہے اس میں ایک بھی ہمارا نام لیوا نہیں ہے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ جب علی گڈہ میں اسپورٹس ہوا کرتے تھے اور رُڑکی والہ آباد و لکھنؤ سے مقابلہ کیلئے آیا کرتے تھے تو مجھے خوب یاد ہے کہ ہر اسپورٹس میں ہمارے بھائی نمبر لیجایا کرتے تھے۔ گر پول چمپ میں ہمیشہ ہارا کرتے تھے۔ عبدالمجید خاں فٹ بال کپتان، اشرف خاں، علی رضا بلگرامی، محمود حیدرآبادی، صمد حیدرآبادی، اس بات کے شاہد ہیں۔ اخیر میں میرے عزیز دوست ممتاز علی خاں کا جواب بھوپال میں ہیں ملنہ

اچھا رہا۔ میٹ آل راونڈ اتھلیٹ تھے۔ مسٹر محمد محسن حیدر آبادی بھی میرے زمانہ علی گڈھ میں اچھے اتھلیٹ رہے۔ معلوم نہیں یہ سب اب کیا کر رہے ہیں۔ ۱۹۲۴ء میں سب سے پہلے اولمپک گیمس (آل انڈیا) دہلی میں ہوے؛ جہاں میں بھی جج کی حیثیت سے موجود تھا، اور امید کر رہا تھا کہ ضرور کوئی اتھلیٹ علی گڈھ سے آیا ہوگا۔ گر میری امید پوری نہ ہوی۔ ایک بھی اتھلیٹ موجود نہ تھا قریب چھ اتھلیٹ منتخب کر کے فرانس روانہ کر دیے گئے تھے۔ پچھلے سال پھر کلکتہ میں ایسا ہی مقابلہ ہوا۔ وہاں بھی کوئی اپنا اتھلیٹ موجود نہ تھا۔ اب فروری ۱۹۲۸ء لاہور میں پھر ایسٹرڈم بھیجنے کیلئے کچھ آدمی چھانٹے گئے، مگر افسوس ہے کہ وہاں بھی کوئی علیگ موجود نہ تھا۔ حضرات آپ اسطرف بھی توجہ کیجیے۔ اسوقت حیدر آباد ہمارا دوسرا علی گڈھ ہو رہا ہے۔ ہر محکمہ میں علیگ کھلاڑی افسروں کی حیثیت سے موجود ہیں۔ ان کی توجہ اسطرف مبذول کیجیے کہ آخر یہ زوال اسپورٹس کیجانب کیوں ہے۔ ہندوستان سے ہاکی اور اسپورٹس کی ٹیمیں ولایت جائیں، اس میں علی گڈھ، حیدر آباد، بھوپال سے ایک بھی شریک نہو سکے۔ علی گڈھ نے اتنا نام محض کھیلوں کی بدولت حاصل کیا تھا۔ آج وہ زمانہ ہے کہ اسکا نام سوا ایسے بڑے بڑے مقابلوں میں ایک بھی نہیں ہے۔ میں اپنے دوست محمود حسن خاں (علیگ) کی توجہ اسطرف خاص طور پر دلاتا ہوں کیونکہ وہ اپنے زمانہ علی گڈھ میں ہائی جمپ و ریسیز میں شریک ہوا کرتے تھے۔ ایک محمد عثمان حیدر آباد کے بھی شامل ہوا کرتے تھے۔ اب چونکہ ہر تیسرے چوتھے برس اتھلیٹ ولایت بھیجے جایا کریں گے، اسوجہہ سے میں حیدر آباد کے (علیگ) افسران سے جو فوجوں میں ہیں؛ یا مدرسوں و کالجوں میں ہیں ملتجی ہوں کہ برائے خدا اسکی طرف توجہ کریں اور دوسروں سے اس مقابلہ میں پیچھے نہ رہیں۔ میں چونکہ آل انڈیا اولمپک کمیٹی کا ممبر ہوں؛ اسلئے اگر کسی مشورہ یا مدد کی ضرورت کسی اتھلیٹ بھائی کو ہو تو مجھے خوشی سے اطلاع دیں۔ اتنی زبردست ریاست حیدر آباد اتنے کالج و اسکول! تعجب ہے کہ وہاں اسپورٹس کا زور نہو۔ ہیڈ ماسٹر صاحبان کی توجہ اسطرف دلائیے۔ اور ہر فوجوں کے افسروں کو لکھئے۔ آیندہ ایسے آل انڈیا مقابلہ میں اگر علی گڈھ نہیں تو حیدر آباد حیدر آباد تو پکارا جاوے اور اتھلیٹ کی حیثیت میں ولایت کی سیر ہو اور ہم سب کا نام ہو اور حیدر آباد کا ڈنکہ بجے۔

ناظر حسن انصاری (از گوالیار)

بھائی ناظر کی تکلیف فرمائی کے ہم ممنون ہیں، اسیطرح دوسرے حضرات بھی توجہ فرمائیں تو ہم شکرگزار ہوں گے۔ خود ہماری حالت یہ ہے کہ رسالہ کے ہر صیغہ میں ہمیں ہر طرح کا کام کرنا پڑتا ہے، اس لئے اپنے بھائیوں سے امداد کا متوقع ہونا ہمارے لئے ضروری ہے۔ اطلاعات کی احتیاج ہمیں بطور خاص ہے۔ ہمارے وہ بھائی فرشتہ ہیں جن پر کوئی واقعہ نہیں گزرتا ہم مختصر سے مختصر اطلاع کے شایع کرنیکے لئے بھی تیار ہیں.....

اولڈبوائے

مہذب شاعری

شوق کالر کا ہوا خبط ہے نکٹائی کا ... پڑگیا آپ پہ سایہ کسی عیسائی کا
تانگہ کرلائے یہہ ہے فرض تمنائی کا ... ریل چھٹ جائے یہہ ہے کام خود آرائی کا
رنگ دنیا سے الگ ہے ترے سودائی کا ... کہتا پھرتا ہے مزا کھیر میں بالائی کا
خط تھا چند ہی کیسلئے وصل کی کب خواہش تھی ... کیوں پہاڑ آپ بناتے ہیں بھلا رائی کا
سرد مہری کے تری جاتی رہی سب تبخیر ... خوب ہاتھ آیا یہہ نسخہ مجھے بھنڈائی کا
مختلف فرقے ہیں عشاق کے تیرے اے شوخ ... کوئی کشتہ ہے بدھائی کا کوئی سائی کا
بھاگ کر بچ نہیں سکتا وہ مرے پنجہ سے ... شکر صد شکر ہوا اسکو مرض پائی کا
شیخ جی پہونچے جو جنت میں تو خاطر یہہ ہوئی ... روٹی بیسن کی تھی اور ساگ تھا چولائی کا
اسکے بھائی کو ذرا انکی سفارش کر دے ... آرزو پوری کرے لال کوئی مائی کا
توبہ توبہ کوئی کاتک نہیں خالی جاتا ... کام ہر سال ہے اُس شوخ کو اکائی کا
بڑھ گئے ناخن و مو تن پہ لنگوٹی نہ رہی ... یہی حاصل ہے مری بادیہ پیمائی کا
کہتے تھے صبح شب وصل۔ بدن دُکھتا ہے ... جسکھری آتا ہے جھونکا کوئی پروائی کا
بل ادا کرنے میں حیلہ جو کیا کچھ خفاش ... دور تک جائیگا غوغا تری رسوائی کا

خفاش کرمانی

ہمارا بینیٹ

ہم کو اس سے بڑی محبت ہے کیونکہ صرف یہی ہمارے پاس رہ گیا ہے، ورنہ چھری، کٹار، خنجر، شمشیر، تیر، کمان سب کے سب ہم سے چھین لئے جاچکے ہیں کسی کو معشوق کی ابرو بنا دیا گیا کسی کو پلک، اور کسی کو کمر، غرضکہ معشوق کیا ہے مجسم اسلحہ خانہ ہے۔ اب ان شاعروں سے لڑے کون۔ لڑے، تو اس سے جو سامنے آئے۔ انکے خیال کی پرواز کا تو یہ عالم ہے کہ ہوائی جہاز بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لہذا مجبور ہو کر ہتھیار ڈالدینے پڑے اور پھر یہ طے کیا، کہ کوئی ایسا آلہ ضرب ایجاد کیا جائے، جہاں تک تخیل ہی نہ آسکے۔ بڑے غور و فکر کے بعد، یہ "بینیٹ" وجود میں آیا، اور بیچارے کو ہر پہلو سے ان خیالی ڈاکو ولنے بچانیکی کوشش عمل میں لائی گئی پہلی بات تو یہ ہے کہ اسکی شکل ایسی بنائی گئی ہے کہ اس کو معشوق کے کسی عضو سے تشبیہہ دی ہی نہیں جاسکتی۔ کیسا بھوں کیا پلک کہیں کھپتا ہی نہیں۔ اب رہی اسکی "کاٹ" تو اسمیں بھی اس امر کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ کہیں سے بھی اترا پن نمایاں نہو، ورنہ یہ ظالم اچک ہی لے جائیں گے۔ چنانچہ اس ڈر کے مارے لفظ کاٹ، تک کو اڑا دیا گیا، اور اسکے بجائے، ایک نہایت سادہ لفظ "بھونکدینا" سے خاطر کی گئی، جسکی مدد سے یہ بیچارہ اپنے اس سادگی کے پردہ میں اغیار کی نگاہوں سے بچکر اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ اتنی قلعہ بندیوں کے بعد اس کی جان بچ سکی، ورنہ اس غریب کو بھی اس خیالی اسلحہ خانہ میں پہونچکر، تمام دنیا میں ہرجائی کیطرح مارا مارا پھرنا پڑتا، اب وہ ہمارے پاس محفوظ ہے، مگر کسے معلوم کہ کب ان خدائی فوجداروں کی نگاہ اسپر پڑ جائے، اور اس کو بھی آنکھوں ہی آنکھوں میں اڑا لیجائیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ اس کو بھی مذہبی رجسٹری خانہ میں رجسٹرڈ کر کے سکھوں کی کرپان اور گورکھوں کی کھکری کی طرح، لباس قدسیت میں ملبوس کر دیتے، اسوقت بیشک یہ مجال نہ تھی کہ یہ

رندا اسکی طرف نگاہ بھر کے دیکھ سکے۔ "خیر" ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا" ابھی تک تو وہ ہمارا ہی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں، کہ سینکڑوں خنجر اسکے سیدھے پن ہی کو دیکھ کے، منہ کی کھاتے ہیں، اور اپنی گردنیں اُسکے سامنے جھکا دیتے ہیں۔ اسکی چمک پر ہزاروں شمشیریں اور کٹاریں نثار ہوتی رہتی ہیں، اور اس کی جھنکار پر لاکھوں بینڈ قرباں۔ سب سے بڑی خوبی اسمیں یہ ہے کہ یہ ظالم نہیں جو اپنے زخمیوں کو، دوسرونکے مانند، تڑپا یا کرے بلکہ اسکا زخمی میٹھی اور دائمی نیند سوتا ہے۔

خواجہ علاء الدین (از بھوپال)

غزل

ہم ازل ہی سے پریشان چلے آتے ہیں ۔۔۔ اسطرح بے سروسامان چلے آتے ہیں
دل کی آغوش میں پیکان چلے آتے ہیں ۔۔۔ آج مہمان پہ مہمان چلے آتے ہیں
شیخ، فردوس میں جانے کیلئے مرتا ہے ۔۔۔ ہم وہیں سے تو پشیمان چلے آتے ہیں
شمع سے خوب لگائے ہوئی لو، پروانے ۔۔۔ جلتے ہیں، ہوتے ہیں قربان۔ چلے آتے ہیں
اپنی محفل میں جو آتے ہوئے دیکھا مجکو ۔۔۔ کہتے ہیں "جان نہ پہچان" چلے آتے ہیں
رہ کے جنت میں بھی کچھ پروا نہ جناب واعظ ۔۔۔ جو سمجھدار ہیں انسان، چلے آتے ہیں

بات کیا ہی، کہ سوئے گورِ غریباں اصغر
وہ بہت ہوکے پریشان چلے آتے ہیں

حضرات! کوئی دلچسپ مضمون عنایت ہو ۔۔۔۔۔۔۔ اولڈبوائے

ڈیرہ دون اور سہارنپور کے خوش ذائقہ چاولوں کے شوقین حضرات حافظ منظور احمد (علیگ) سے ایس سپلائی ایجنسی سہارنپور کے پتہ پر خط کتابت فرمائیں۔

لاہور سے

بھائی منظر علی صاحب ۔ السلام علیکم ۔

اولڈ بوائے تو غالباً اکتوبر سے نکل رہا ہے مگر مجھ بدنصیب کو کل معلوم ہوا کہ اللہ نے اس کو تیسری بار آپکے ذریعہ سے زندگی بخشی ۔ مبارک ہو ۔

میں مضمون نگار نہیں اور نہ فسانہ ساز ۔ آپ کے اور اپنے علی گڈھ کا خالص کھلنڈرا ہوں اور بس ۔ مجھ سے مضمون کی توقع عبث ہے طبیعت اس قسم کی خشک کاموں کیطرف مائل ہی نہیں ہوتی جسکا ثبوت میری عرضداشت سے بہم پہنچ جائے گا ۔ اولڈ بوائے کے چار پرچے اپنے میزبان بھائی آغا محمد صفدر صاحب سیالکوٹی کی کوٹھی پر ملے ۔ بخار اُتر رہا تھا ۔ انھوں نے خوشخبری سُنا کر چاروں پرچے میرے پاس رکھدیئے ۔ اس تھوڑی سی تکلیف کو بھول گیا اور پرچوں کی صفحہ گردانی میں ایسا مشغول ہوا کہ شب کے گیارہ بجے نیند کے جھونکوں نے محسوس کرایا کہ رات زیادہ گذر گئی ہے اب سو رہو ۔ اسکی تہ اچھی چین جنم لیا ہے ۔ اور توقع ہے کہ اولڈ بوائے کو عمر ابدی ملیگی ۔

ہزاروں بڈھے لڑکے وہاں موجود ہیں اور اگر دوسرے صوبوں کے بھائی اپنا فرض فراموش بھی کر دیں تو کھٹا گوشت کھانے والے بھائی پرچہ کو زندہ رکھ سکتے ہیں ۔ جو خدمت مجھ سے ہوگی اسکے لئے حاضر ہوں ۔

آجکل اپنے کام کے سلسلے میں پنجاب کا سفر کر رہا ہوں ۔ ہر جگہ اولڈ بوائز سے ملاقات ہوتی رہتی ہے پرچہ کی اشاعت بڑھانے میں پوری کوشش کروں گا مگر اس شرط پر کہ اولڈ بوائے کو ادبی رسالہ نہ بنائیں ۔ یہ تو علی گڈھ کے پیارے کھلنڈروں کا رسالہ ہے اور اسکی واحد غرض یہی ہونا چاہیے کہ ایک بھائی کا حال

دوسرے کو معلوم ہوتا رہے اور اسکے ساتھ ہی ہماری پرانی روایات اب علیگڈھ سے، کیا کہوں، غائب ہوتی جاتی ہیں۔ اگر اب موجودہ طلباء کو بتانیوالا کوئی علی گڈھ میں نہیں رہا ہے تو وہ اولڈ بوائے کو پڑھ کر سیکھیں۔ مگر ان کو مرنے نہ دے۔ اس لمبی چوڑی تمہید کے بعد آدم بر سر مطلب کا گنہگار ہوتا ہوں مثلاً خواب پریشاں یا اس قسم کی سرخی کے جو صحیح یاد نہیں آتی ایک مضمون ہمارے ایک بڑے بھائی کا ہے برادر معظم عنایت اللہ صاحب معاف فرمائیں یہہ آثار قدیمہ سے گڑے مردے اکھیڑ کر ہم لوگوں کے ساتھ کیوں ایسا خشک مذاق کرتے ہیں اقلیدس صاحب تو بہوں تعارف رہا مگر اسوقت بھی میں انکا مداح نہ تھا ساتھیوں سے شمیدسس کا نام بھی سنا مگر یہہ ماوالیحم کی قسم کے بخار یا بخار اور کسیکا مینڈھا اور ارغوصہ کا بندرگاہ یا بندر بابل کی زبان معلوم ہوتی ہے اور قصہ کبھی غالباً اسی زمانہ کا ہے جبکیم اوقیانوس بوقیانوس وغیرہ سے دلچسپی لینے والے لوگ قرول باغ دہلی کے طبیہ کالج کے اولڈ بوائز ہو سکے نہ کہ علیگڈھ کے کھلنڈرے۔ میں غالب مرحوم کا بہت مداح ہوں اور گراس ہیں، کوئی کمی تھی تو بجنوری مرحوم و مغفور کی شاعری نے پوری کردی تھی اور انکی بہت سی غزلیں از بر یاد تھیں اور ہیں جنکے بہت سے اشعار بلا سمجھے پڑھ جایا کرتا تھا اور ہوں مگر اسکے یہہ معنی نہیں کہ آپسے (Protest) نہ کروں اگر غالب مرحوم کو اپنے کلام کیلئے ہمارے پرچہ میں جگہہ دلوانا منظور تھی تو چند روز اور جئے ہوتے تاکہ علی گڈھ میں پروفیسر ہو کر اسکے حقدار ہوجاتے (یعنی علیگڈھ کے پڑھنے پڑے بھائی صاحبان کے بستہ میں کیسے گھس گئے کہ انہیں کھلنڈروں کی گوں کا مضمون دینا یاد نہ رہا) آپ سوال کرینگے کہ پرچہ کے صفحات کیونکر سیاہ کئے جائیں۔ تو میں بھی عرض کرونگا کہ کھلنڈروں کیطرف رجوع کیجیے۔ سنا خوب لکھ سکتے ہیں اور جوتوں کے نعل کے ساتھ ممتاز کی فیرنی موہن نعل کے تھیلے۔ احمد بخش کا شیوا رہر شیو کے ساتھ اپنے پنشن کا ذکر۔ میر صاحب کا تیل بیلا چمیلی ایک خاص نمبر میں ادا کرنا یہہ واقعات ہیں کہ لکھیں۔ جوش صاحب کا عذر قابل سماعت ہے کیونکہ ہوم رول کا مسئلہ اہم ترین مسئلہ ہے مگر اسکے یہہ معنی نہیں کہ مہینہ میں ایک مرتبہ انکو اتنا وقت نہیں مل سکتا کہ وہ ادبیت کو چھوڑ کر ایک واقعہ نگار کی حیثیت سے نہ لکھ سکیں۔ سلطان حیدر صاحب کے ذکر کے ساتھ شفقت صاحب کا ایک لطیفہ یاد آگیا۔ بھائی اسکو دلچسپی سے پڑھیں گے۔ ہمارے دونوں بھائی ایک وقت میں مراد آباد

ٹرینگ میں وہی بنائے جارہے تھے۔ جوش صاحب کے صاحبزادے صاحب بھی موجود تھے۔ شفقت صاحب نے اپنے بھتیجے کو بلاکر پوچھا کہ میاں بتاؤ۔ ماموں کی فارسی کیا ہے۔ بچہ نے حسب لیاقت جو کچھ بھی بتایا ہو، مگر شفقت صاحب نے فوراً اسکی صحت کے بعد کہا کہ ماموں کی فارسی ہے "عرق نانا"۔ کہئے کیا رائے ہے۔ ایک اور لطیفہ سنایا تھا وہ یاد نہیں رہا۔ اس کو شفقت صاحب سے دریافت کیجئے۔ شفقت صاحب بھونڈو۔ حیات صاحب بعید پسر مولوی مسعود علی صاحب جواب ماشاءاللہ "کیا" حال ہوگئے ہیں یہ سب لکھ سکتے ہیں۔ اور کیوں نہ لکھیں۔ انسے لکھوایئے کسی کے اتنے مشاغل نہیں ہیں جو ماہ میں ایک مرتبہ تھوڑا سا نہ لکھ سکیں اور اس بیباکی سے لکھیں جس کو میں کام میں لایا ہوں بمبئی والے محی الدین آزاد پر زور دیجئے کہ وہ اوّل کی طرح وہ بھی اس جانب متوجہ ہوں۔

ڈائرکٹری کیلئے "جو میں کون ہوں اور کیا ہوں" کے سوالات ہیں اس کا جواب لکھنا بہت مشکل بلکہ ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ پندرہ برس کی سرگذشت اور مختصر الفاظ میں میرے امکان ولیاقت سے باہر ہے۔ ایک معقول سکرٹری تلاش کرلوں اسکے بعد اسپر داستان کو لکھواؤں گا۔ سکرٹری کا ہونا میرے لئے نئی بات نہیں ہے۔ خدا اقبال احمد خاں سہیل اور زین العباد کو خوش رکھے دونوں نے مجھے اچھا خاصہ شاعر بنا رکھا تھا۔ سہیل خستہ جاں تو بہت اچھے شاعر ہیں اور زین تُک بندی اور مہمل گوئی کے استاد۔ اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ ایسے سکرٹریوں کے ہوتے ہوئے میرا کیوں عمدہ شعرا میں شمار نہ کیا جاتا۔ اس داستان کو کسی دوسرے موقعہ کیلئے ملتوی کرتا ہوں۔

یہاں پر ختم کر رہا تھا مگر یاد آیا کہ جو بات لکھنے بیٹھا تھا وہ بھول ہی گیا۔ سر ابراہیم کمیٹی کی رپورٹ شائع ہوگئی اسکا نتیجہ اس حد تک نکل آیا کہ ڈاکٹر ضیاءالدین صاحب مستعفی ہوگئے۔ جو کچھ ہو رہا ہے الما میٹر کیلئے اچھا ہو رہا ہے۔ ہم کو ان در و دیوار سے محبت ہے اور ذاتیات سے کوئی تعلق نہیں۔ اب وقت ہے کہ ہماری ایسوسی ایشن میں ہمارے وہ بھائی بھی اسی شان وخلوص کے ساتھ شریک ہوجائیں جس جوش کیساتھ انھوں نے اسمیں تازہ روح پھونک دی تھی اور نیز یونیورسٹی کے حالات کو درست کریں وہی حد لیں جو وہ سنہ ۲۰ء سے قبل لیتے رہے تھے۔ اس طولانی داستان کی معافی چاہتا ہوں۔

اشفاق علی

جزیرۃ العرب

ذیل کا مضمون ایک امریکن مستشرق مسٹر الگزنڈر پاول کی جدید مشہور و مستند کتاب ۔

The struggle for power in Muslim Asia

سے گیارھویں باب کا ترجمہ ہے۔ مصنف موصوف بقید حیات ہیں اور مشرقی معاملات میں انکی رائے
نہایت مستند تسلیم کیجاتی ہے۔ ترجمہ نذر ناظرین کیا جاتا ہے اور کیا عجب ہے کہ اس باب کے بعد دوسرے
کسی حصہ کا ترجمہ شایع کیا جائے۔ ہم اپنے دوست جناب "غازی" کی اس تکلیف فرمائی کے ممنون ہیں۔ اور
امید کرتے ہیں کہ اس کتاب کے دوسرے حصے خاص کر ترکی اور نجی غالباً بھی توجہ کرینگے ۔ اولڈ بوائے

حیرت ہے کہ کتنے ہی لوگ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ملک عرب کا رقبہ ان تمام ریاستوں کے
رقبے سے بڑا ہے جو دریائے مسی سی پی کے مشرق میں واقع ہیں؟ نیز وہ لوگ جنھیں اپنی جغرافیہ دانی پر ناز ہے
وہ نقشے میں اس ذیلی بر اعظم کے ابعاد پر نظر ڈالتے ہیں تو لفظ "جزیرۃ العرب" پڑھکر انھیں تعجب ہوتا ہے۔
تمھیں یہہ بات معلوم ہے کہ اگر تم ریگستان شام کی شمالی حد سے جنوب کی طرف چلنا شروع کرو، تو تمھیں اتنی
مسافت طے کرنی پڑیگی، جتنی خلیج ہڈسن سے خلیج میکسیکو کے درمیان ہے، بیشتر اسکے کہ تم عمان کے ساحل
کے قریب پہونچکر بحر ہند کی متلاطم موجوں کا شور سنو۔ کیا تم اس بات سے بھی واقف ہو کہ ایک شیعہ زائر جو بغداد
سے اپنے اونٹ کا منہ مکہ کیطرف پھیرتا ہے اس کو اتنا فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے جتنا کہ دوبارہ انگلستان سے
دریائے ڈینیوب کے درمیان ہے، بیشتر اس کے کہ اسکی نگاہیں مقدس حرم کعبہ پر پڑیں۔ اگرچہ عرب میں تین
بر اعظموں کے لوگ آکر یکجا ہوتے ہیں، اور گو نہایت مشہور و معروف بحری راستے اسکے سواحل کے اطراف

تین ہزار میل تک چلا گیا ہے، اسپر بھی اس سرزمین سے بین الاقوامی تجارت کا تعلق مطلق نہیں ہے۔ اسکی طبعی خصوصیات ہی کیوجہ سے خشکی کے قریب ترین راستہ پر دور دراز بحری سفر کو ترجیح دیجاتی ہے! اسکے باوجود اسکے مقابلہ میں دنیا میں چند ہی ممالک ایسے ملیں گے جنھوں نے تاریخ انسانی میں اس سے زیادہ حصہ لیا ہو کیونکہ عرب نہ صرف یہودیت، اسکے بعد عیسائیت اور پھر اسلام کے بانی ہوئے، بلکہ اس قلیل عرصہ میں جب وہ اسلام کیلئے ملک گیری کے واسطے نکلے تو، انھوں نے مختلف مفتوحہ ممالک کو، اپنی قوم اپنی زبان اور اپنی خصوصیات میں ملا لیا، جسکی نہ کوئی مثال پہلے سے موجود تھی، اور نہ اب ہے! اور یہہ بات یونانی، رومانی اور انگلو سیکسن اقوام سے بھی نہ ہو سکی۔

جزیرہ نمائے عرب کا رقبہ ساڑھے بارہ لاکھ مربع میل سے بھی زیادہ ہے۔ یہہ ایک وسیع بلند اور ہموار سرزمین ہے جو مغربی اور جنوبی حدود پر سب سے زیادہ بلند ہے اور یہاں پہاڑوں کے سلسلے آٹھ ہزار فٹ سے بھی زیادہ بلند ہو گئے ہیں۔ یہہ پہاڑ شمال اور مشرق کیطرف بتدریج ڈھلوان ہوتے ہوتے دریائے فرات کے اس تک چلے جاتے ہیں۔ چونکہ بحر روم اور بحر ہند کی بیشتر تری ان مغربی اور جنوبی پہاڑوں کے ڈہالوں سے ٹکرا کر رک جاتی ہے اسلئے یہاں کے علاقے سرسبز و شاداب رہتے ہیں۔ جزیرہ نما کے زیادہ تر حصے کا انحصار بیشتر ان غیر یقینی انجرات پر رہتا ہے جو ہوا کے ذریعہ کردی پہاڑوں یا خلیج فارس سے آجائیں پس ملک عرب روئے زمین پر ایک طرف تو بارش سے محروم رہنے والا اور دوسری طرف باعتبار اپنے عرض البلد کے نشیب میں واقع ہونے سے انتہائی گرم ملک ہے۔ طبیعی حیثیت سے اس میں صرف یہی نقص نہیں ہے بلکہ اس کے پورے رقبہ میں کوئی حقیقی شان رکھنے والا دریا بھی نہیں ہے گو اس میں وادیاں بکثرت ہیں جو ہمارے جنوبی مغربی علاقے کے نالوں کیطرح سال بھر میں صرف چند ماہ تک ضرور بہتی رہتی ہے۔ قریب قریب تمام جزیرہ نمائے عرب میں کسی ایک جگہہ جم کر رہنا مشکل ہے۔ یہہ بات تو صرف اسی جگہہ ممکن ہے جہاں پانی میسر آسکے۔ دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ملک عرب میں بجز ساحلی مقامات کے کہیں بھی مسلسل کاشت نہیں ہوتی کہیں کہیں ایسے چھوٹے چھوٹے نخلستان ہیں جا اطراف میں ریت کے ٹیلوں سے گھرے ہوتے ہیں اور ان میں سبزہ بہت کم پیدا ہوتا ہے۔ ایک نخلستان سے دوسرے نخلستان کے درمیان میں ایسے ریگستان بھی ہوتے ہیں

جن کی ریت ہمیشہ اُوپر اُدھر اُڑتی رہتی ہے اور جہاں کوئی متنفس زندہ نہیں رہ سکتا۔
یہہ واضح رہے کہ ملک عرب سیاسی نقطۂ نظر سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اُسکا نام اس بڑے مستطیل یا قائم الزاویہ خطۂ زمین پر عائد ہوتا ہے جو براعظم ایشیا کا جنوبی مغربی گوشہ ہے اور اسکے حدود اربعہ یہہ ہیں کہ:۔ شمال مغرب میں فلسطین اور شام کے محکوم علاقے ہیں۔ اور شمالی مشرق میں دریائے فرات واقع ہے۔ مشرق میں خلیج فارس اور خلیج عمان اور جنوب میں بحر ہند اور مغرب میں بحر احمر ہے۔ سیاسی نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو یہہ وسیع خطہ عرب ریاستوں کا ایک سلسلہ ہے جو کم و بیش مستقل حکومتیں اور انکی کچھ نہ کچھ متعینہ حدود بھی ہیں۔ ان ریاستوں کے اطراف بنجر اور خشک پہاڑ اور ریگستان ہیں جن میں گو بہت سے خانہ بدوش قبائل آباد ہیں لیکن انکے علاقوں کی نہ کوئی سیاسی حدود ہیں اور نہ کوئی انکا نظام حکومت ہے۔
عرب کی خود مختار ریاستیں آٹھ ہیں۔ شمال مغرب میں فلسطین اور ریگستان شام کے درمیان ماورائے اردن ہے جو اُس وقت کرک کی ریاست کے نام سے موسوم ہے اور یہہ سرزمین گائی لینڈ کے مابین علاقے سے مطابقت کرتی ہے۔ اسکا حکمراں حجاز کے شاہ حسین کا بیٹا امیر عبداللہ ہے۔ اس ریاست کا صدر مقام شہر عمان ہے جو دمشق سے مدینہ جانیوالی ریل کی سڑک پر واقع ہے۔ فلسطین اور کرک کے جنوب میں طویل اور ریتیلا حجاز کا خطہ ہے جس کا رقبہ نسبتاً کلیفورنیا کے رقبہ سے بڑا ہے۔ حجاز پہلے ترکی سیادت میں تھا جنگ عظیم میں خود مختار ہوگیا سیاسی اعتبار سے اسے اسلئے اہمیت حاصل ہے کہ اس میں مکہ اور مدینہ جیسے مقدس شہر واقع ہیں۔ مدینہ کا ریلوے کے ذریعہ دمشق سے سلسلہ ملا ہوا ہے۔ ان مقدس شہروں میں اسلامی دنیا کی ہر حصے سے ہزاروں زائرین آتے ہیں۔ حجاز کے جنوب میں بلاد عسیر واقع ہے۔ یہاں کی امارت ادریسی خاندان میں منقسم ہوگئی۔ عسیر کے جنوب میں یمن واقع ہے جس کا صدر مقام صنعا اور اسکے امیر کا نام یحیٰی محمد حمیدالدین ہے۔ اس علاقے میں پہاڑوں سے دوامی چشمے بہتے رہتے ہیں اسلئے یہاں کی کاشت کا تمام و کمال انحصار آب پاشی پر نہیں ہے۔ مغربی اور جنوبی حصوں میں حضری باشندوں کی اچھی خاصی آبادی ہے۔ بدو یہاں نہیں پائے جاتے بلکہ یہاں ایسے لوگ آباد ہیں جنھوں نے خود آکر سکونت اختیار کرلی ہو۔ پہاڑوں کے مناظر دلفریب ہیں۔ ان پہاڑوں جنگلوں اور وادیوں کے بیچ بڑے بڑے خوشحال اور آباد شہر اور گاؤں واقع ہیں۔ ایسے شہر

اور گاؤں بجز عمان کے کسی اور حصے میں نہیں پائے جاتے۔ جانوروں کے چرنے اور گیہوں، جوار، باجرہ، مکئی اور بن کی کاشت کیلئے بڑے بڑے رقبہ واقع ہیں۔ کافی خاص طور پر مشہور ہے۔ اسوقت حدیدہ اور عدن سے ہو کر موشیح بھیجی جاتی ہے اور ان شہروں میں یمن کی کافی کے نام سے مشہور ہے لیکن اب اسکی شہرت جاتی رہی۔ یمن کے جنوب مشرق میں عدن واقع ہے جو برطانوی علاقہ ہے۔ یہہ مقام اگرچہ جھلسی ہوئی چھوٹی سی آتش فشاں پہاڑی ہے لیکن بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس کو بحر احمر کا جنوبی پھاٹک سمجھنا چاہیے اور مشرق بحری راستہ کی حفاظت کے لئے برطانیہ کی یہہ فوجی چوکی بھی ہے۔ ۱۹۱۴ء کی برطانوی ترکی آویزش کے بعد سے برطانوی علاقہ عدن سے لیکر خلیج فارس میں اس مقام تک وسیع ہوگیا جو بحرین کے مقابلہ میں ہے لیکن اس میں ربع الخالی کا کچھ حصہ بھی شامل ہے جس کو کوئی اہمیت نہیں دیجاسکتی۔ اب کے جنوبی ساحل سے بحر ہند ٹکراتا ہے اور یہہ علاقہ حضرموت کے نام سے موسوم ہے۔ اس خطہ میں خوشبو کی چیزیں بکثرت پیدا ہوتی ہیں۔ بیان ہوا ہے ''یہی علاقہ شاہان سبا کی ملکہ بلقیس کا مسکن تھا اگرچہ سیاسی حیثیت سے جہانتک کہ حکومت کا تعلق ہے حضرموت اہمیت رکھنے کی ملک نہیں ہے''۔ اسپر بھی یہہ تربیت یافتہ اور منتظم جماعت کا مسکن ہے۔ اسکی وادیوں میں بھی اسطرح حضری باشندے آباد ہیں جسطرح یمن کے بہترین حصوں میں۔ یہہ مقام زمانہ قدیم سے مسالہ کیلئے مشہور چلا آتا ہے۔ جنوبی مشرقی گوشہ میں عمان واقع ہے۔ یوروپی نوآبادی کا ملک عرب میں یہہ پہلا منظر ہے۔ اسکا صدر مقام مسقط ہے۔ اسپر پرتگالیوں کا ۱۵۰۸ء سے سترہویں صدی عیسوی کے وسط تک قبضہ رہا۔ اسکا بیشتر حصہ زرخیز ہے میلوں کے رقبے میں روئی اور گنے کی کاشت ہوتی ہے۔ پانی کے چشمے ہر سمت بہتے ہیں۔ گذشتہ صدی عیسوی کے وسط تک عمان کے سلاطین افریقہ کے ساحلی علاقے پر تابعض رہے۔ بتقوطرہ اور زنجبار کے جزائر بھی انکے زیر نگیں رہے۔ ۱۸۵۶ء میں خاندانی آویزش کے باعث انکا ملک دو حکومتوں میں منقسم ہوگیا۔ سالہاسال سے عمان اور برطانیہ میں خوشگوار تعلقات چلے آرہے ہیں مسقط میں ایک برطانوی پولیٹیکل ایجنٹ رہتا ہے خلیج فارس کے اس ساحل پر جو (Pirate coast) کے نام سے مشہور ہے کویت کی چھوٹی سی ریاست ہے۔ بغداد ریلوے کے قضیئے کے سلسلے میں اُسنے تھوڑی بہت اہمیت حاصل کرلی ہے سلطان کو ترغیب دی جارہی تھی کہ وہ برطانوی حفاظت میں آجائے اسلئے کہ جرمنی اپنے منصوبے کے مطابق کویت کو برلن اور خلیج فارس نظام کے سلسلے میں کہیں مستقر

نما ہے۔ ان ساحلی ریاستوں سے گھری ہوئی دو بڑی سلطنتیں ہیں۔ ان میں سے ایک تو مملکت نجد احسار ہے اور دوسری مملکت جبل شمر انکے حالات سے لوگ بہت کم واقف ہیں اور واقعی یہہ دونوں عرب کے نہایت دلچسپ خطے ہیں۔

نجد کے جنوبی حصے کو فقط دو یا تین یورپی سیاحوں نے دیکھا ہے! اور اسکے پراسرار صدر مقام ریاض کا ذکر ایک انگریز محقق پالگریو نے مندرجہ ذیل عبارت میں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

> ہمارے سامنے ایک وسیع اور کشادہ وادی تھی اور ان پہاڑوں کے نیچے جن کی چوٹی پر ہم کھڑے ہوئے تھے میدان میں بڑا اور مربع صدر مقام کا شہر واقع تھا جو اونچے اونچے میناروں اور مضبوط فصیل سے ڈھکا ہوا تھا چھتوں اور بلند مکانوں کے جھرمٹ میں فیصل کا شاہی محل کھڑا تھا جس کو اسکے بیٹے نے بنایا اور آباد کیا تھا۔ اس شہر کے گرد میدانوں میں پورے تین تین میل کے رقبے میں لیکن زیادہ تر خصوصاً مغرب اور جنوب کی طرف ہرے بھرے کھیتوں اور سرسبز وشاداب کھجور کے درختوں کا سمندر لہرا رہا تھا۔ اسکی مخالف سمت میں بجانب جنوب یہہ وادی وسیع اور زیادہ زرخیز یمامہ کے میدانوں میں جاکر کشادہ ہوجاتی ہے اور یہاں گاؤں زیادہ قریب قریب آباد ہیں۔ اس سرزمین میں منفوعہ کا بڑا شہر جو ریاض سے رقبے میں بمشکل کم ہوگا آسانی سے شناخت کیا جاسکتا ہے۔ اس سے اور آگے ٹیڑھی کونیلی پہاڑیاں اور ریتا کا بنجر بیابان ہے"۔

ملک عرب کے نہایت طاقتور حکمراں ابن سعود کا یہہ صدر مقام ہے جو جزیرہ نمائے عرب کے اس بڑے حصے پر جو حجاز اور خلیج فارس کے درمیان واقع ہے۔ اس زمانہ سے حکمراں ہے جب کہ ۱۹۱۳ء میں اسنے ترکوں کو احساء سے بیدخل کیا تھا۔ اسکے علاقے کے جنوب میں بڑا حصہ بلند اور بنجر میدانوں کا ہے جس میں بہت نخلستان ہیں اور ان نخلستانوں میں مستقل آبادی ہے۔ باوجودیکہ اس علاقے میں بجز کھجور اور جانوروں کے دوسری پیداوار کم ہوتی ہے۔ اور یہہ علاقہ آگے جاکر ربع الخالی کے لق ودق ریگستان میں گم ہوجاتا ہے۔ اس سلطنت کے شمال میں جبل شمر کی مملکت ہے جس کا صدر مقام حائل ہے۔ اس علاقے میں ہر مقابلے جنوب کے زیادہ تر بدوی آبادی ہے۔

ملک عرب کی طبعی حالت وہاں کے باشندوں (خصوصاً وسط عرب کی آبادی) کو ہمیشہ کا پیاسا خانہ بدوشی کی حالت میں رکھتی ہے۔ یہاں کے باشندے پانی اور چراگاہ کیلئے جو زندگی کا واحد ذریعہ ہیں گشت کرتے رہتے ہیں

اور اپنی اُس آزادی پر نازاں جو عرصہ دراز سے انکے لئے مخصوص چلی آرہی ہے۔ساحل کی ریاستوں میں جو نسبتاً سرسبز و شاداب ہیں حضرمی باشندے آباد ہیں جن کی آبادی تقریباً چالیس لاکھ ہے اور انکا ذریعہ معاش گلہ بانی زراعت مچھلی کا شکار اور تجارت ہے لیکن جزیرہ نمائے عرب کا اندرونی حصہ بہت وسیع ہے اور اسکے حالات سے لوگ بہت ہی کم واقف ہیں۔گو اس میں نخلستانی شہر کہیں کہیں واقع ہیں اور ان شہروں میں کئی کئی منزلہ عمارتیں بھی ہیں جن میں چھوٹے بڑے بہت سے بدوی قبائل آباد ہیں جن کی تعداد معلوم نہیں۔ انکا واحد ذریعہ معاش اونٹ گھوڑوں اور بھیڑوں کی پرورش ہے۔لفظ "بدو" کا اطلاق عرب کے تمام باشندوں پر نہیں ہوتا جیسا کہ عموماً لوگوں کا خیال ہے۔بلکہ خانہ بدوش قبائل کے افراد کیلئے یہہ لفظ مستعمل ہے تاکہ حضرمی اور نیم حضرمی باشندے تمیز ہو سکے۔بدو لوگ اپنے گلے کیلئے پانی اور چراگاہوں کی تلاش میں موسم کے اعتبار سے ایک مقام کو ہجرت کر جانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔جاڑے کا موسم اپنے ہی وطن وسط عرب میں بسر کرتے ہیں لیکن موسم بہار کے شروع ہوتے ہی کردستان اور اناطولیہ کے علاقوں تک چلے جاتے ہیں۔موسم گرما بھر یہاں کی سرسبز وادیوں میں اپنے جانوروں کو موٹا تازہ کرتے اور جاڑے کے شروع ہوتے ہی اپنے جنوبی علاقے کیطرف روانہ ہو جاتے ہیں۔بدو خود خانہ بدوش نہیں ہوتے بلکہ ضرورت کے اعتبار سے وہ ایسا طرز عمل اختیار کرتے ہیں اس خیال سے کہ یا تو وہ ہجرت کر جائیں یا بھوکے مر جائیں ۔

نامعلوم زمانہ سے عربی قبائل ایک دوسرے سے آپس میں لڑتے چلے آرہے ہیں۔یہہ ترکوں سے بھی جنگ آزما ہوے مگر ترک بالآخر جزیرہ نمائے عرب کے اچھے خاصے حصے پر کچھ عرصہ تک اپنی سیادت کو برائے نام قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے لیکن اس عرصہ میں بھی فاتح اور مفتوح دونوں ایک دوسرے سے برسر پیکار رہے۔ملک عرب چونکہ دوسرے ممالک سے ترقی کے میدان میں پیچھے اور قدیم ہے اس بنا پر یہہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ سیاسی قضیوں اور خانہ جنگی جھگڑوں سے پاک ہوگا جیسی یورپ میں لڑائیاں ہوتی ہیں اسیطرح چھوٹے پیمانہ پر یہاں بھی ہوا کرتی ہیں۔اُن میں اور اِن میں صرف فرق اتنا ہے کہ یہہ لڑائیاں نسلاً بعد نسل جاری رہتی ہے۔چھوٹی چھوٹی لڑائیاں جو قبائل میں خون بہا کی رقم کی عدم ادائی یا چراگاہ، اور پانی کے قضیوں سے متاثر ہو کر یا لوٹ مار کی خواہش کے سلسلے میں ہوا کرتی ہیں۔ان لڑائیوں کو اُن بڑی لڑائیوں کی

مثل نہ سمجھ لینا چاہیئے جو بڑے بڑے سلاطین میں سیاسی سے زیادہ عموماً خود غرضی کی بنا پر ہوا کرتی ہیں۔ عرب میں بڑی بڑی جنگوں کے نہ صرف ایسے خونیں واقعات پیش آئے جن میں ہزاروں لوگ ضائع ہوئے اور فوت شدہ افراد کی باہر والوں کو صرف اُڑتی سی خبر پہونچی بلکہ بعض بڑی بڑی لڑائیوں کے معاملات کی گونج یورپ کی عدالتوں میں بھی پہونچی جس کی وجہہ سے بعض بڑی بڑی سلطنتوں کی حکمت عملیاں متاثر ہوئیں۔ یہہ ایک عجیب واقعہ ہے کہ عرب کے ایک بڑے حکمراں نے جس کا اور جسکے ملک کا نام قریب قریب عرب کے باہر لوگوں کو معلوم نہیں حال ہی میں مدبرین یورپ کے نہایت حریصانہ منصوبوں کا سدباب کرنے میں کامیابی حاصل کی اگرچہ کہ انکا قطعی استیصال نہو سکا ہو۔ یہہ ایک دلچسپ قصہ ہے۔ (باقی)

"غازی"

طاعون نے حیدرآباد کا تختہ الٹ دیا۔ بھاگنے والوں میں بڑے بڑے نام نظر آتے ہیں مولوی عنایت اللہ صاحب بی۔ اے کو کون نہیں جانتا کہ کیسی شاہ قلم ہیں بالکین یہہ شاید بہت تھوڑے لوگوں کو خبر ہوگی کہ ایسے موقعہ پر کسی کی نہیں سنتے۔ اس موقعہ پر ہمیں معلوم ہوا ہے کہ بلی کے بھاگوں چھینکا توڑا گیا تھا، اور چھینکے سے مٹھائی کی ٹوکری پیر روضہ کی سرگرمی تھی۔ ہمارے دوسرے بھائیوں میں سے مولوی مسعود علی صاحب بی۔ اے نے بھی وقت کو ہاتھ سے بجانے دیا اور رمضان کی پوری تعطیل لنکا کی سیر میں گزار دی جہاں باون گز سے کم جسامت کا کوئی آدمی نظر نہیں آتا۔ جناب جوش ملیح آبادی نے بھی ان دونوں سے چند قدم آگے ہی اپنے آپکو دکھایا اور ایسے گئے کہ خط بھی نہ بھیجا رسید کا۔ البتہ برادرم اکبر ناظر یار جنگ بہادر نے اپنے اصول کو ہاتھ سے جانے نہ دیا، اور صرف مقررہ ایام کیلئے باہر گئے اور اندرون مدت واپس آگئے لیکن بھائی قاضی تلمذ حسین صاحب رخصت اور استفادہ کے باب میں باقاعدہ قانون کے پابند نظر آئے اور جہاں تک ہو سکا اپنے وقت سے ایک منٹ کو بھی ضایع ہونے دیا۔ بمائن نوازی کے بعد گورکھپور سے حیدرآباد واپس ہوئے تو گورکھپوری کھلنڈروں کی نظر بچا کر تھوڑا سا تمباکو بھی ساتھ لائے، اور تمباکو کی ٹوکری اس لحاظ سے بی بی کے حوالے کر آئے کہ کالی قبر سے مزار شریف تک اس خوشبودار تمباکو کا دھواں جائیگا۔ اور مولوی عبداللہ عمادی صاحب کے اوراد میں خلل واقع ہوگا۔ اولڈبوائے کے ناظرین کو ایک بات سُن کر حیرت ہوگی کہ اسمرتبہ حکیم برہم صاحب کے مشورہ سے یا خدا معلوم اس خیال سے کہ اوس جی کی سنگھٹن میں شریک ہو جائیں نگر کی ایک چوٹی بھی ساتھ لائی ہیں۔ ہمیں اُڑتی سی خبر ملی ہے کہ قاضی صاحب نے دانستہ یا نادانستہ حضرت پیر گنا صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرلی ہے اور اس کوشش میں ہیں کہ دوسرے بھی انکے پیر بھائی بنجائیں ہمیں خوشی ایسکی ہے کہ اس ذریعہ سے ہمارے بھائیوں کی بھوک خوب کھل جائیگی۔

فلاڈرس بیچتا ہوں

فتحمید انہیں یہہ کل جا کی صدا دی میں نے
فلاڈرس بیچتا ہوں! ہی کوئی لینے والا

سُرخ ٹیونک ہی رنگ شفق صبح بھا
رنگ وہ رنگ کہ شرمندہ ہو جس سے لالہ

کف زرے ساعد سیمیں کیطرح اور کالر
خوشنا جیسے حسینوں کے گلے میں مالا

اک بریچز بھی ہی اور ایک بلو جمپر کوٹ
اور یہ۔ اور یہ آلز بھی ہو زہ بھی ہے کالا کالا

سیاش بھی۔ ٹیبلٹ بھی ہی اور کرچ ہی بے مثل
یوں چمکتی ہی کہ بس سروارم کا ڈالا

فلاڈرس پاک ہی۔ پایا ہی نمازوں کا ثواب
مے کبھی پی نہیں میں نے۔ نہ پھر استوالا

کبھی گرمی کبھی برسات کی دیکھی ہی بہا
اور جاڑوں ہی کئی بار پڑا ہے پالا

پاس رکھتا نہیں کچھ شادی و غم ہیں یکساں
نہ مری جیب میں کنجی ہی۔ نہ گھر میں تالا

کیا کروں! دست زمانہ نے کیا ہے مجبور
ٹالتا ہوں اُسے۔ پہلے تو بہت کچھ ٹالا

جیتے جیتے۔ یہہ آگ بھڑک اُٹھے ہے
آگئے پاؤں میں چھالے تو زباں پر چھالا

کیا ڈرس کی کسی صاحب کو ضرورت نہ رہی
کسی جانب سے صدا ہی نہیں آتی۔ لا۔ لا

کاش لا۔ لا ہی کہو کوئی تو دے مجھکو جواب
مفت مانگے جو کوئی مفت ہی لے۔ ڈی ڈالا

زندگی! انکھبت وامان ہوائے گلزار
زگری! انخل گلستان وفا کا جالا

خورد سالی سے محبت تھی بہت ورزش سے
ناتواں کر گئے لیکن میری بچپن یہ سالہ[1]

---

[1] حضرت شہرت کی خورد سالی اور یہہ سالہ دونوں ناظرین کی توجہ کے محتاج ہیں۔ بی بی کے بہن بھائی ان سے یقیناً بُرا مانیں۔

اب نہ وہ شان سواری ہے نہ شمشیر زنی — ناتواں ہاتھ ہیں اُٹھتا نہیں ہرگز بھالا
اب قلم چلتا ہے۔ یا تیغ زباں چلتی ہے — گولی رائفل کی چلی جاتی ہے بالا بالا
اب رہا کیا۔ وہ مثل آگئی صادق شہرت
قحبہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالہ — شہرت

ایک کھلا تار

بخدمت اراکین مسلم یونیورسٹی کورٹ علیگڈھ

براہ مہربانی ہماری پرخلوص مبارکباد اپنے ان عاقلانہ تجاویز پر قبول فرمائیے جن کو آپ نے علیگڈھ یونیورسٹی کی اصلاحات کیلئے لائحہ عمل کی طور پر منظور فرمایا۔ اس حیثیت سے کہ ہم کو اس کا حق اور شرف ہا ہے کہ ہم نے علیگڈھ کالج میں بزمانہ سر سید اعظم اور بعد ازاں تعلیم حاصل کی اور پھر اسکے ساتھ ہم کو بہت قریبی تعلق بھی رہا ہے ہم ایک استدعا کے پیش کرنیکی اجازت چاہتے ہیں جس سے نہ صرف یونیورسٹی کی مشکلات حل ہو جائیں گی بلکہ ساتھ ہی ہر نقطہ خیال کی مسلمانان ہند کو بلکہ ساری دنیا کی ان مسلمانوں کو جنھیں علیگڈھ سے دلچسپی ہے ہماری رائے میں اطمینان ہو جا سکتا ہے۔

بالیقین یہہ امر آپ پر ظاہر ہے کہ نواب مسعود جنگ بہادر سید راس مسعود صاحب جو سر سید علیہ الرحمہ کی پوتے ہیں چند ہی ماہ میں ملک سرکار نظام کی خدمت نظامت تعلیمات سے ایک نہایت قابلانہ عرصہ کارگزاری کی بعد وظیفہ حسن خدمت کے حصول پر سبکدوش ہو رہے ہیں۔ سررشتہ تعلیمات حیدرآباد تقریباً (۶۰) لاکھ کی رقم ہر سال تعلیمات عامۃ الناس پر خرچ کرتا ہے نواب مسعود جنگ بہادر کی نہ صرف سررشتہ تعلیمات حیدرآباد کو اسکے موجودہ اعلیٰ معیار کارگزاری پر پہنچانے کا سہرا ہے بلکہ جامعہ عثمانیہ کی عالم ظہور میں اور پھر اسکے موجودہ نظم و نسق کے جو بہترین نتائج رونما ہوئے اسکے وہی ذمہ دار ہیں۔

ہم خیال کرتے ہیں کہ علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کورٹ کو موصوف سے زیادہ تعلیمی تجربہ اور انتظامی قابلیت کا فرد جو ایک یونیورسٹی کا نظم و نسق چلا سکے نہیں مل سکیگا اور اسی بنا پر ہم انکا نام نامی یونیورسٹی کی وائس چانسلر کی خدمت کیلئے پیش کرتے ہیں جنھیں اسکا کامل اختیار دیدیا جائیگا کہ وہ پرو وائس چانسلر اور پروفیسروں کا آپ انتخاب کریں اور یونیورسٹی کا ایسا انتظام کریں یہہ جو ایک قومی یونیورسٹی کی شایان شان ہوگا اور سطرح سر سید مرحوم اور عالم اسلام کی تمناؤں کو پورا کرے گا۔

میں علیگڈھ میں

بخدمت شریف مدیر صاحب "اولڈ بوائے"! السلام علیکم

آپکی عنایت اور میری خوش قسمتی سے "اولڈ بوائے" کے ماہانہ رسالہ کا خریدار ہونے کا مجھے بھی اس مرتبہ اتفاق ہوا۔ اور اسی اولڈ بوائے کے بعض نمبروں میں میں نے پڑھا ہے کہ آپ نے اپنے اکثر احباب سے خواہش کی ہے کہ وہ اپنے زندگی کے کچھ حالات "اولڈ بوائے" میں درج کئے جانے کی غرض سے آپکی خدمت میں بھجوائیں۔ آپکی یہہ خواہش کسی کیلئے مخصوص تو شاید نہیں ہے اسلئے میں بھی بحیثیت اولڈ بوائے ہونے کے اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اپنے زندگی کے حالات۔ اب اسے آپ حالات سمجھیں افسانہ سرگذشت یا داستان درج رسالہ کرنے کی غرض سے آپ تک پہنچا دوں۔ اگر زحمت نہ ہو اور درج کرنے کے لائق واقعات ہوں تو لکھدیجیے ورنہ کوئی شکوہ نہیں۔

میری تاریخ پیدایش ۱۷ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ مطابق ۲۰ اپریل ۱۸۹۵ء ہے۔ مقام پیدائش اور سکونت حیدرآباد فرخندہ بنیاد۔ والد قبلہ کا نام نواب اظہر جنگ بہادر ہے تعلیم کی ابتدا نظام کالج سے ہوئی تین چار سال یا اس سے کچھ زیادہ زمانہ کنڈر گارٹن میں گذرا اسکے بعد اسکول میں قدم رکھا۔ دو ایک سال اسکول کے کلاسوں میں کامیابی حاصل کرکے سنہ ۱۹۱۰ء میں علیگڈھ بھجوایا گیا۔ اسکول اور کنڈر گارٹن میں چونکہ میری سیرت اور رفتار تعلیم اچھی اور قابل اطمینان تھی اور مسٹر سیٹن پرنسپل وقت خود اسکول میں ہمارے انگریزی کلاس کے معلم تھے اسلئے ان کو میری انگریزی مضمون میں خاص ترقی کرنے کا پورا ثبوت مل رہا تھا اور یہی وجہہ تھی کہ جب میں علیگڈھ جاتے وقت صاحب موصوف سے ملنے گیا تو انھوں نے مجھے نصیحت کی کہ میں اپنی تعلیمی کوشش

تعلیم کا سلسلہ نظام کالج سے منقطع نہ کروں۔ جب میں نے مجبوری ظاہر کی تو انھوں نے ایک خط میرے والد ماجد کو لکھ بھجوایا جس میں میری تعلیم سے کمال اطمینان ظاہر کرتے ہوئے خواہش کی کہ میرا نام اُس اسکول سے نہ نکلوایا جائے اور میں کسی اور مدرسہ میں نہ بھجوایا جاؤں لیکن یہہ کس کو معلوم تھا کہ ہم بھی کسی آئندہ زمانہ میں علیگڈھ اولڈ بوائے کہلائے جائیں گے۔ بہرحال ۱۹۱۰ء میں ہم علیگڈھ پہنچے۔ اس زمانہ میں بھائی غلام حسین وہیں زیر تعلیم تھے جن کو قبل از قبل اطلاع کردیگئی تھی۔ مارین کورٹ میں بھائی غلام حسین ہی کے کمرہ میں ہم رہنے لگے اور سیونتھہ میں شریک کئے گئے۔ ہمارے کمرے کے بعد مرزا بہبود علی مرحوم کا کمرہ تھا یہہ میرے حیدرآباد کے بہتر دوستوں سے تھے۔ بھائی غلام حسین اور بہبود مرحوم ہم کلاس اور ایک جگہہ ملکر پڑھتے تھے۔ امتحان ہوا نتیجہ نکلا۔ چونکہ میری اور بہبود علی مرحوم کی خوب دوستی تھی اسلئے قسمت نے یا شاید ہم ہی نے ایک دوسرے کا اُسوقت بھی ساتھ نہ چھوڑا۔ بہبود بھی فیل ہوئے اور ہم بھی۔ اس زمانہ میں ٹوڈر اوون صاحب پرنسپل کا دور دورہ تھا۔ آدمی محبت کے اور خلیق تھے خصوصًا سیونتھہ کے لڑکوں پر زیادہ مہربان رہا کرتے۔ جب ہمیں نتیجہ امتحان سناتے وقت اُن لڑکوں میں کھڑا کیا گیا جو امتحان میں ناکامیاب ہوے تھے تو پرنسپل صاحب نے اخیر میں میرے پاس آکر فرمایا کہ تم نے تمام مضامین میں اچھے نمبر حاصل کئے سوائے ریاضی کے اور جاتے وقت ہنستے ہوے یہہ بھی کہا کہ پھر کوشش کرو۔ قصہ مختصر ہم وہاں سے مغموم مارین کورٹ واپس آئے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ میاں بہبود بھی اسی کشتی کے سوار مگر نہایت بشاش احباب سے ہنسی مذاق کرتے بیٹھے ہیں گفتگو اور مذاق کے ڈھنگ سے یہہ معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کامیاب شدہ احباب کے کامیابی پر ہنس رہے ہیں اور انکو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔ ایسے موقع پر میرا بھی ان کے کمرہ میں سیدھے چلا جانا اور انکا وفور گرمجوشی سے مجھ سے ہاتھ ملانا ثابت کر رہا تھا کہ میرا ایسے وقت بھی ان کا ساتھ دینا ان کیلئے باعث تشکر ہے۔

میں نے اسوقت جو کچھ آپکو بتلایا وہ تو صرف ہمارے علیگڈھ میں ابتدا اور انتہا کی حالت کے متعلق ہے مگر جو درمیانی زمانہ گذرا اسکے نسبت اسقدر ضرور کہہ سکتا ہوں کہ ڈائننگ ہال کے گوشت اور دال چاپاتی کا مزہ اب تک یاد ہے اور ہمیشہ یاد رہیگا۔

جمعہ اور پیر کے پلاؤ اور زردہ میں بھی خاص لطف تھا۔ بیمار پڑنے کی میں نے بھی اکثر مرتبہ کوشش کی اور ڈاکٹر صاحب کی مہربانی اور رحم و کرم کی وجہہ سے غذا میں تبدیلی بھی ہوئی۔ آخر کب تک صحت ہوہی گئی یا یوں سمجھئے کہ خود بخود اچھا ہو جانا پڑا۔ اور پھر وہی دال چپاتی کا بول بالا۔

میری کم عمری تھی۔ اسلئے یہہ تو یاد نہیں کہ اسکول۔ کالج اور بورڈنگ کا ہر ایک دروازہ، دیوار اور ہر کونہ کیا تھا۔ کس سال کونسا کمرہ یا ہال تعمیر پایا، اور کب ٹوٹا۔ کس تاریخ مرمت ہوی۔ اینٹوں کے ڈھیر کس مقام پر کس عرصہ تک پڑے رہے، اور کس سال انکو کام میں لایا گیا اور کب اٹھائے گئے۔ فلاں زمین پر کس سن میں کیا تھا۔ اب کونسی عمارت بنائی گئی ہے وہ بڑا میدان (Lawn) فلاں عمارت سے کس جانب ہے۔ یہہ تاریخی اور جغرافیائی بیان تو غلام پنجتن صاحب ہی کا حصّہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ "اولڈ بوائے" اور "ناظرین اولڈ بوائے" کو اُن کی جاں فشانی اور محنت کی داد دیتے ہوے مشکور ہونا چاہیے جنھوں نے صرف ہمارے معلومات کی خاطر اپنے زبردست حافظہ کا ثبوت دیدیا۔

میرا دل پسند کھیل فٹ بال تھا بعض اوقات بورڈنگ ہاوس ہی کے موسم کورٹ پر ٹینس کھیلا کرتا۔ فٹ بال یا ٹینس کو جانے کے قبل میرا ملازم "جانکی" حلوائی سے (جو ہر روز سہ پہر کو مارسین کورٹ ہوتے ہوئے ممتاز ہاوس اور دوسرے مقامات جایا کرتا) میرے لئے کچالو اور کچھ میوہ ضرور خرید لیا کرتا۔ یہہ میرا معمول تھا کہ ہر وقت اسکا ناشتہ کر کے کھیل کے لئے جایا کرتا۔ جہاں تک میرا خیال ہے اُس زمانہ میں فرسٹ الیون کے مشہور فٹ بال کپتان سیّد محمد اعظم صاحب تھے۔ میرے قیام علیگڈھ کے زمانہ ہی میں نمائش بھی ایک مرتبہ ہوئی۔ اس نمائش کے پراٹھے اور کباب تو شاید ہی عمر بھر تک بھولیں وہ گرم اور نرم پراٹھے اور وہ لچھے دار پیاز کے ساتھ گرم گرم کباب اور اسوقت کی از خود رفتہ کرنے والی بچپن یا عنفوان شباب کی بھوک اور پھر یہہ ضد کہ پراٹھے اور کباب ہر دو کو کبھی بھوک پر غالب نہونے دیں گے، روز کھاتے تھے اور خوب کھاتے تھے بعض اوقات شہر کو بھی بھائی غلام حسین اور بہبود مرحوم کے ساتھ چلے جایا کرتے۔ نماز کی پابندی حتی الامکان ضرور ہوا کرتی تھی۔ نماز کی حاضری پکارتے وقت لبّیک کی صدا وہ مجھ سے اکثر سنا کرتے۔

امتحان کے بعد ہم بڑی تعطیلوں میں اپنے گھر آئے۔ یہاں آنے کے کچھ عرصہ بعد حضرت غفرانمآب نے

عالم فانی سے رحلت فرمائی اور اعلیٰحضرت حضور پُرنور خلد اللہ ملکہٗ کے دور عثمانی کا آغاز ہوا۔ اسوقت ارشاد مبارک ہوا کہ میں ہر روز صبح شام ڈیوڑہی مبارک پر حاضر رہا کروں۔ اسی زمانہ میں مجھے حضرت اقدس و اعلیٰ کے ہمراہ بزمانہ دہلی دربار بمبئی۔ اجمیر شریف، اورنگ آباد۔ گلبرگہ شریف اور ورنگل اکثر بار رہنے کی عزت حاصل ہوتی رہی۔ جب تعطیلات موسم گرما کی مدت اختتام کو پہونچی تو والد ماجد نے بندگان حضرت سے عرض کیا اگر حکم ہو تو صمصام الدین کو واپس علیگڈھ بھجوا دیا جائے۔ ارشاد ہوا کہ اب علیگڈھ بھجوانے کی ضرورت نہیں۔ میں مسٹر اسٹرج کو لکھ کر صمصام الدین کو نظام کالج میں شریک کرا دونگا۔ چنانچہ نواب سر امین جنگ بہادر کو حکم ہوا کہ وہ حسب الحکم اعلیٰحضرت قدر قدرت مسٹر اسٹرج کو لکھ دیں کہ مجھے نظام کالج میں شریک کر لیا جائے۔ دوسرے روز جب میں اسکول کو مسٹر اسٹرج سے ملنے گیا تو وہ مجھ سے نہایت مہربانی کے ساتھ پیش آئے اور علیگڈھ میں میری تعلیم کے متعلق حال دریافت فرمایا۔ بہرحال مجھے پری مڈل کلاس میں شریک کر لیا گیا۔ فائنل کامیاب ہونے کے بعد تھوڑے عرصہ تک انٹرمیڈیٹ میں تعلیم پاتا رہا اسکے بعد ہی میرے متعلق فرمان مبارک شرف صدور لایا کہ میں سول سروس کلاس میں شریک کیا جاؤں۔ یہ ۱۹۱۷ء کا واقعہ ہے۔

محمد صمصام الدین حیدر

معاملات مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

نواب مسعود جنگ بہادر کو وائس چانسلر مقرر کرنے کی تحریک

گذشتہ پنجشنبہ کو نواب ناظر یار جنگ بہادر کے بنگلہ پر معاملات علیگڈھ پر غور و خوض کرنے کیلئے ایک ابتدائی مشورتی جلسہ منعقد ہوا۔ معاملات متعلقہ پر ایک گھنٹہ تک بحث ہوتی رہی۔ بالآخر نواب ناظر یار جنگ بہادر کے محررہ مسودہ پر تمام حاضرین نے دستخط کئے اور قرار پایا کہ اس پر دیگر حضرات کے دستخط لئے جائیں اس اعلان کی کافی طور پر نشر و اشاعت کیجائے۔ حاضرین کیلئے پر تکلف عصرانہ کا انتظام تھا۔ نواب صاحب ممدوح کی تحریک حسب ذیل تھی۔

نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، مولوی عزیز مرزا مرحومین کے بعد دیگرے ملازمت حسن خدمت ریاست حیدرآباد کے بعد علیگڈھ کالج اور مسلم لیگ کے سکرٹری ہوئے اور اب بھی پوری توقع ہے کہ ریاست حیدرآباد کے وظیفہ یاب نواب مسعود جنگ بہادر کو وائس چانسلر

شرح دیوانِ غالب پر ایک نظر

(۳۵)

زہرہ گر ایسا ہی شامِ ہجر میں ہوتا ہے آب
پرتوِ مہتاب سیلِ خانماں ہو جائے گا

شرح:" یعنے شامِ ہجر کی ہیبت ہر ایک کا زہرہ آب کرتی ہے تو کیا تعجب ہے کہ چاندنی کا زہرہ بھی آب ہو جائے اور وہ میرے گھر کیلئے سیلاب ہو جائے"۔ شارح کی عبارات زائد کے ساتھ معنے تو پیدا ہو جاتے ہیں مگر بہ تکلف۔ میرا خیال ہے کہ جس وقت یہہ اشعار نظم کئے گئے ہیں اُس وقت سے کے پیشِ نظر مرزا بیدل کی یہہ غزل ضرور ہوگی ؎

به خاک ریز کہ گردید قطره زن مهتاب ‌ ‌ ‌ ‌ که خوں فشاند به یک دشت پیرہن مهتاب
به صد بهار سر و برگ ایں تصرف نیست ‌ ‌ ‌ ‌ جهاں گرفت به یک برگ یاسمن مهتاب
دراں بساط که شمع طرب بود خاموش ‌ ‌ ‌ ‌ ز پنبه سر مینا برون فگن مهتاب
وگر چه چاره بجز آتش زدن به کسوت هوش ‌ ‌ ‌ ‌ فتاده است به فکر کتان من مهتاب
شهید ناز تو در خاک بے تماشا نیست ‌ ‌ ‌ ‌ ز موج خون چمنے دارد از کفن مهتاب
به گلشنے کہ حیا شبنم بهار تو بود ‌ ‌ ‌ ‌ گداخت آئینه چنداں که شد چمن مهتاب
مباش بے خبر از فیض گریه ام بیدل ‌ ‌ ‌ ‌ که شسته است جهاں را به اشکِ من مهتاب

اب بیدل کے مقطع سے اس شعر کو ملا لیجئے۔ اور تیسرے شعر سے مطلع کو۔

(۳۶)

گر نگاہ گرم فرماتی رہی تعلیم ضبط
شعلہ خس میں جیسے خوں رگ میں نہاں ہو جائے گا

شرح ہے کہ "نظر عتاب جو ضبط نالہ و آہ کا اشارہ کرتی ہے اسکے ڈر سے عجب نہیں کہ شعلہ خس میں اسطرح چھپ رہے جیسے رگ میں خون"۔ یہ شرح متن سے بالکل منافی ہے۔ اگر شعر کی نثر بنائے تو اسطرح ہوگی"۔ اگر نگاہ گرم تعلیم ضبط فرماتی رہے تو شعلہ خس میں اسطرح نہاں ہو جائے گا جیسے رگ میں خون" اب سوال یہ ہے نگاہ گرم کس کو ضبط کی تعلیم دے؟ عاشق کو یا خس کو؟ شارح کے بیان سے یہہ مترشح ہوتا ہے کہ خس کو ضبط کی تعلیم دیجائے تو اُس میں سے شعلہ نہ اُٹھے۔ اگر ایسا ہے تو معشوق کیلئے یہ شغل بیکاری کتنا اچھا ہے کہ جا لو خس میں چنگاری ڈال کر آگ کھڑے رہنے کے بدلے اسکو گھورتی رہیں کہ اس میں سے شعلہ بلند نہونے پائے۔ ہاں اگر فرماتی رہے کا مفعول ثانی عاشق (محذوف) ہے تو جو شرح حضرت شوکت نے کی ہے وہ ٹھیک اُترتی ہے یعنے "اگر نگاہ گرم اسطرح ضبط سوز دل کی تعلیم دیتی رہے تو خون آگ بنکر رگوں میں اسطرح چھپ جائیگا جیسے شعلہ خس میں"۔ انھیں معنوں کا لحاظ کرتے ہوے آپ نے اس مصرعہ کو یوں تحریر فرمایا ہے جس سے التباس معنوی دور ہو جاتا ہے۔ ع شعلہ جیسے خس میں خوں رگ میں نہاں ہو جائے گا۔ بہت ممکن ہے کہ مص نے اسطرح مصرع کو نظم کیا ہو اور متعارف مصرعہ میں سہو کتابت ہو۔

(۳۷)

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

شرح "وہ اشارہ ہے غرور حُسن کی طرف" مراد شاعر یہی معلوم ہوتی ہے لیکن بیان تشنہ ہے یہی مطلب حضرت والہ مرحوم نے وثوق صراحت میں بیان کیا ہے لکھتے ہیں "صنم کی بندگی میں اپنی بھلائی جو نہ ہوئی گویا صنم کی صاحبی نمرود کی خدائی تھی جس سے پرستاروں کا بھلا نہ ہوا"۔ میں کہتا ہوں کہ جب غرور حسن یا بت کی خدائی کیطرف کوئی لفظی اشارہ نہیں ہے تو پھر بندگی سے بندگی الہی کیوں مراد نہ لیں۔ اسپر ایک منطقی اعتراض

وارد ہوتا ہے کہ فعل ماضی (تھی) ان معنوں کے منافی ہے میں کہونگا کہ شاعر نے حکومت ابدی وازلی کے صرف اُس جزو زمانی کو لیا ہے جس میں اُس نے بزعم خود بندگی کی اور اس بندگی کا کوئی ثمرہ اپنے حسب مراد نہ دیکھا۔ غالب کے پاس ایسے رندانہ شعر بہت ہیں اور وہ بارہا اپنے بدقسمتی کے معاملہ میں اللہ میاں سے لڑتے جھگڑتے رہے ہیں۔ دیکھئے کہتے ہیں ؎

عمر اپنی جو اسی طرح سے گزری غالبؔ
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

ایک جگہہ ایک فارسی قصیدے میں کہتے ہیں ؎

بر بزمے کہ زینہ زپاسِ نفس بود　ہوئے چو سالکان قلندر براورم
ناچار چوں خدائے بدامم نمی رسد　من نیز کار خویش زمظہر برآورم

شوکت مرحوم نے اس شعر کا مطلب مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے لکھتے ہیں (۱) جب بندگی میں بھلا ہوا کرتا تھا تو شاید وہ نمرود کی خدائی تھی اب خدا کی بندگی میں میرا بھلا نہیں ہوتا اس سے تو نمرود ہی کی خدائی بہتر تھی (۲) میں نے خدا کی بندگی نمرود کی خدائی سمجھ کر نہیں کی پھر میرا بھلا کیوں نہیں ہوتا (۳) نمرود کی خدائی کیا اچھی تھی کیونکہ اس میں بھلا ہوا کرتا تھا۔ اب بندہ بن کر میرا بھلا نہیں ہوتا۔ تو میں نمرود بن کر خدائی کا دعویٰ کروں تب بھلا ہوگا۔ یہ تیسرے معنے نازک ہیں اور غالباً غالب کا یہی مطلب ہوگا شعرا اپنی ترنگ میں شرع ورع کا کھٹراگ نہیں پالتے۔"

بہرحال کچھ ہی ہو اتنے شارحوں نے شعر کے معنے بیان کرنے کی کوشش کی ہے مگر کوئی صاف صاف نہ بیان کر سکا کہ شاعر کے ذہن میں کیا معنے تھے۔ اسی کو المعنی فی البطن الشاعر کہتے ہیں۔

(۳۸)

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگئی جا کا
گہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا

شرح۔ یعنے شوق دل میں سما کر تنگی جا کی سبب سے جوش وخروش نہیں دکھا سکتا، گویا قطرہ گہر میں سما گیا

اب تلاطم نہیں باقی رہا"۔ شاعر کا مقصود یہی چاہے کچھ ہی ہو لیکن شرح منافی متن ہے۔ اسلئے اگر تلاطم باقی نہیں رہا تو گلا اور بھی یہہ دونوں لفظ بیکار او رحشو قبیح ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ اگر حقیقی معنی لیئے جائیں اور دوسرے مصرعہ کو مشابہہ مان لیں تو نفی شوق ہوتی ہے مگر پہلا مصرعہ شوق مفرط کے وجود کو ثابت کر رہا ہے ہم کہتا ہے ام "دل جو اسقدر وسیع ہے (دل کی وسعت مفروضہ ہے بلحاظ گنجایش کے نہ بلحاظ جسامت یا ابعاد) کہ اس میں دنیا و مافیہا سما سکتے ہیں اسکی وسعت کو بھی میرا شوق تنگی سے تعبیر کرکے گلامند ہو رہا ہے حالانکہ دریا کا اضطراب و طوفان ایک موتی میں جو دل کے مقابلہ میں نہایت کم حوصلہ اور چھوٹی سی شے ہے گم ہو جاتا ہے"!

یہہ خیال بجنسہ مرزا بیدل کے پاس سے لیا گیا ہے وہ فرماتے ہیں ؎

دل آسودۂ ما شور امکاں و نفس دارد گہر دزدیدہ است اینجا عنان موج دریا را

لیکن غالب نے جو معنوی فرق پیدا کیا وہ قابل داد ہے۔ فارسی کے شعر کا دوسرا مصرعہ پہلے مصرعہ کی توضیح کر رہا ہے اور تمثیل کے حکم میں داخل ہے۔ غالب نے اول میں بھی کہکر طنز یا استعجاب کا پہلو پیدا کیا ہے بیدل اپنے انتہائی اطمینان نفس کا اظہار کر رہے ہیں اور غالب اپنے انتہائی بے اطمینانی و بیقراری کے شاکی ہیں یہہ ایک لفظ بھی کا کرشمہ ہے جسنے اسقدر توافق لفظی کے باوجود معانی میں اتنی بعید مغایرت پیدا کر دی ہے۔ یہہ نکتہ اہل کلام کیلئے قابل غور ہے۔ حضرت شوکت نے پہلے مصرعہ کی شرح تو ہمارے موافق مراد کی ہے لیکن دوسرے مصرعہ کو مشابہہ سمجھکر یوں کہہ گزرے ہیں کہ "شوق عاشق اتنا وسیع ہے کہ دل اسقدر وسعت پر بھی تنگی کا شاکی ہو کر مضطرب ہے پس اضطراب دریا گویا گوہر میں محو ہو گیا ہے یعنے سما گیا ہے" اہل نظر سمجھ سکتے ہیں کہ یہہ معنے شعر کی ترکیب لفظی سے کسقدر مغایر ہوا اسلئے کہ جب شوق کو دل میں جگہہ ملگئی تو پھر گلہ کس بات کا رہا۔ یہی مراد اگر غالب نے بھی لی ہے تو شعر بے معنی اور شاعر قصور کا مرتکب ہوتا ہے۔

(۳۹)

قطرہ مے بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا

خط جام مے سراسر رشتۂ گوہر ہوا

شرح ہے "گرفتگی و بستگی و تنگی و ضبط نفس حیرت کے لوازم ہیں اور جب اہر قطرۂ مے میں حیرت کی

سبب سے یہہ صفات پیدا ہوئے تو وہ موتی بن گیا اور پیالے میں جو لکیر تھی وہ عقد مروارید ہوگئی اس بیان سے فقط حیرت کی شگوف کاری کا اظہار مقصود ہے لیکن یہہ حیرت حُسن ساقی کو دیکھ کر پیدا ہوئی ہے یہ مضمون مصرع کے ذہن میں رہ گیا"۔ شارح نے شعر کو حل تو فرما دیا اور (حُسن ساقی کو دیکھکر) ہر قطرہ مے ایسا حیرت زدہ ہوا کہ بستگی حاصل کر کے گوہر بنا جس سے خط ساغر سلک مروارید ہوگیا اور یہہ بھی فرما دیا (حُسن ساقی کو دیکھکر یہہ حیرت پیدا ہوئی یہہ مضمون مصرع کے ذہن میں رہ گیا لیکن یہہ نہ فرمایا کہ نفس پروری سے ضبط نفس کے معنے کیونکر نکلے؟ اور جب نفس پروری ضبط نفس کے معنوں میں نہیں ہے تو پھر جو کچھہ مطلب شارح علامہ نے بیان فرمایا یہہ کہاں سے نکلا؟ علاوہ بریں قطرہ مے سے ہر قطرہ مے کس قاعدہ نحوی یا صرفی کے تحت مُراد لی گئی؟ جبتک یہہ اعتراضات مرتفع نہوں اس عبارت زایدہ کو بڑہا کر بھی جو شارح نے بڑہائی ہے شعر بامعنی نہیں کہا جاسکتا ہے یہہ کہ شاعر نے نفس پروری بسکون دوم سے نفس پروری بہ تحریک دوم وہو کا کھایا اور فاحش غلطی کی۔

ضامن کنتوری

ڈاکٹر ضیاء الدین کے آئندہ ارادے

دہلی ۱۶ اپریل ڈاکٹر ضیاء الدین نے ایک اخبار کے نمایندہ سے بیان کیا کہ میں مئی کے وسط میں یورپ کو جاؤنگا اور وہاں جاکر دو کتابیں لکھوں گا یا حالاک یورپ کے طریقہ ہائے تعلیم کا مطالعہ کرونگا اور اندازہ کروں گا کہ جو تبدیلیاں وہاں گزشتہ چند سال میں ہوئی ہیں وہ ہندوستان کیلئے موزوں ہیں یا نہیں۔

آپ نے یہہ خیال بھی ظاہر کیا کہ ہندوستان کی اہم ترین ضرورت یہہ ہو کہ ایک تعلیمی کمیشن مقرر کیا جائے اور اس کیلئے میں انگلستان میں کوشش کرونگا۔ ۱۹۰۳ء کے کمیشن کی سفارشات کو آپ نے غیر مکمل ظاہر کیا۔ کیونکہ اسکی سفارشات ابتدائی اور ثانوی تعلیم تک محدود تھیں۔ اسطرح کلکتہ یونیورسٹی کے کمیشن کی سفارشات بھی آپکی نظر میں غیر وسیع ہیں۔ کیونکہ اس نے جو کچھہ لکھا یونیورسٹی کی ابتدائی تعلیم کے متعلق لکھا۔ آپکے خیال میں ہندوستان کو ایسے کمیشن کی ضرورت ہے جو تعلیم کے تمام شعبوں پر من حیث المجموع نظر ڈالے۔

ہملٹ سے دو دو باتیں

ازالم در سینہ، خوں گشتہ نشتر داشتی
زیرِ خاموشی نہاں غوغائے محشر داشتی

منگل کو آدھی رات گئے، جب تھیٹر سے نکلا ہوں تو اے جوانمرگ ہملٹ! غم نصیب شہزادے! ہوریشیو کے پیارے اور سُریلے بول خود بخود میری زبان سے بھی نکلے جاتے تھے۔

"خدا حافظ، پیارے شہزادے! فرشتوں کی پروازِ الٰہی تجھے چین کی لوری سنائے"

ایمان کی یہ ہے کہ تجھ سے یوں ہی رخصت ہونا چاہیے بھی تھا۔ کیونکہ تیری سنگت سے وہ رات عجب مزے میں گذری! واقعی، اے شہزادہ ہملٹ! تو بڑا پیارا پیارا شہزادہ ہے۔ تو ایک حسین ہے مگر غمگین! ہا ایسا حسین جس کا غم کسی خوبصورت سوگوار کے بکھرے بالوں اور ننگی کافوری کلائیوں سے بھی زیادہ مارے ڈالتا ہے! تو سب کچھ جانتا ہے، مگر کر کچھ نہیں سکتا! تجھ پر رشک بھی آتا ہے اور ترس بھی۔ تو ہم سب جیتے جاگتے چلتے پھرتوں سے بُرا بھی ہے اور بھلا بھی۔ تو ہمارے لئے تو سب کچھ ہے۔ مگر اپنے لئے کچھ بھی نہیں!

فطرتِ انسانی کی تو اک ایسی انوکھی تصویر ہے جس میں اسرارِ قدرت کے بے گنتی رنگ بھرے پڑے ہیں۔ یہ سچ ہے، تجھ میں گوشت پوست والے آدمیوں کی طرح جان کی گرمائی نہیں، نہ ہی، پھر بھی تو تو ایک انسان ہے! نوعِ انسان ہے!! عطرِ انسانیت ہے!!! تیرا مصنف ہستی شکسپیر ہو یا لارڈ ڈربی، ایک آرٹسٹ جس کے پیچھے قدرت کا انجان مگر زبردست ہاتھ کام کر گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جو خود شکسپیر آج تجھ سے زندہ ہے۔ آفتابِ تخلیق کی مبارک کرن! صدیاں گزر گئیں مگر زمانہ تجھ پر خاک نہ ڈال سکا، تو رہتی دنیا چمکیگا!

اچھا، یہ بات بھی نہیں کہ تیری باتوں کا ایک میں ہی رسیا ہوں، میں نے ہی ان کا مزا لوٹا، نہیں! یقین مان کئی اور منچلے بھی وہاں اس میں میرے شریک تھے۔ تیری باتیں ہی کچھ اس بلا کی موہنی ہوتی ہیں کہ جب تک ہم اپنا دل و دماغ ان سے مسحور نہ کرلیں، تجھے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ یہی جو دیکھ لے آج تین دن سے میں ہوں اور تیرا پیارا خیال اور پھر سے

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

میرے شہزادے! جونہی میں نے تجھے دیکھا تو ایسا معلوم ہوا اک عجیب اداس خوشی جی موہے لیتی ہے۔ اور سچ کہتا ہوں، وہ ایسی خوشی ہے جو ہمارے ہی ہی ہا ہا سے کہیں بڑھی چڑھی ہے۔ آ، میں تجھے ایک اور بات سناؤں۔ دیکھیو، تھیٹر میں بہت سے تیری باتوں سے ناک بھوں چڑھاتے بھی معلوم دیتے تھے۔ مگر خیر، ہمیں ان سے نہ تو زیادہ شکایت ہی ہونی چاہیے اور نہ حیرت۔ کیونکہ وہاں تو اکثر "چودھویں صدی" کے رنگیلے جمع تھے۔ تیرے پاس جب آجکل کے قیمتی کپڑے نہ تھے۔ تو تماش بینی کا رسیا نہ تھا۔ کسی "گلبن نزاکت" کا بھیجا ہوا پیارا پیارا پھول تیرے زیب سینہ نہ تھا، تو بھلا ایسی صورت میں وہ خوش عیش تجھ سے کیونکر جز بز نہ ہوتے! اسی لئے تیری چوٹی کی باتیں بھی انھیں مزہ نہ دے سکیں۔ آہ! انھیں کیونکر بتایئے کہ تیری باتیں فیشن ایبل نہیں بلکہ تیرا سوا تو انسان کی احوالی سرگذشت ہے!

تیرا سب سے بڑا اور ناقابل معافی گناہ یہ ہے کہ تو خواہ مخواہ بچار کی بپتا ڈہا دیتا ہے پھر بھی وہیں اور اسی وقت چند ایسے دردمند موجود تھے، جو تیری باتوں سے کلپ کلپ گئے۔ کیونکہ تو نے ان کو اپنی بپتا کیا سنائی گویا خود انکی بپتائیں انھیں سنا دیں! یہی وجہ ہے کہ وہ تجھے دنیا کی اور تمام تجھ جیسی مخلوق سے زیادہ سراہتے اور پیار کرتے ہیں۔ نہ ہے نصیب! کاش رات میں بھی ایک ایسی ہی برگزیدہ ہستی کے پہلو بہ پہلو تھا، یہ خود ایک شاعر ہیں، اور اسی لئے میرے عزیز شہزادے! تجھے رسے سائیں کیطرح جانتے پہچانتے ہیں، یقین ہے، میں بھی تجھے سمجھ لیتا ہوں، کیونکہ تازہ تازہ سمندر کی سیر کر کے چلا آ رہا ہوں۔ مگر کہیں یہ نہ سمجھ لینا، اس سے میں نے تیرے دو سمندر پار ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے نہیں یہ تو صرف لفظوں کا کھیل ہے جس سے تو بے نیاز ہے۔

کہنا صرف یہہ مقصود ہے، میں تجھے اس لئے سمجھ لیتا ہوں کہ چین اور شانتی کے دو مہینے پرفضا مقامات میں گزارے ہیں۔ جب سے طبیعت سادی بنگر ہی! سمندر، ابر اور گہری چیزوں تک رسا ہونے لگی ہے ورنہ جاڑے میں تو پیرس والے دل لگی! آراستہ پیراستہ اور پر بہار چیزوں پر بات کی بات میں رال ٹپکانے لگتے ہیں۔ حالانکہ انسان کا احساس دیہاتوں کی انند گلگشت اور ساحل و سمندر کی نفیس فضاؤں سے نکھرتا اور نازک بنتا ہے۔ اور جب ہم وہاں سے لوٹتے ہیں۔ تب کہیں شکسپیر کی خداداد اور نادر ذہانت سے رمز ورار کے قابل بنتے ہیں۔ اسلئے تو اے ہملٹ! میں تجھے خوش آمدید کہتا ہوں! اور یہی وجہ ہے، جو تیرے خیالات ایک طرف میرے نوکِ زبان ہیں تو دوسری طرف انھوں نے مجھے یاس وہراس اور شاعری میں گھیر دیا ہے!

اچھا، تو نے یہہ بھی دیکھا، تیری اِس اُداسی کی لم کی نسبت کیسی کیسی چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ کہتے ہیں، تیری یہہ اُداسی اتنی گہری ہے کہ گھر کا ڈراؤنا ساڈراونا دکھ درد بھی اسے اتنا گہرا نہیں بنا سکتا۔ ایک بڑے جید پولٹیکل اکونومسٹ کا تو یہہ کہنا ہے کہ یہہ اداسی ایک پولٹیکل اکونومسٹ کا ساہی ملال ہے۔ جنھوں نے ثبوت میں ایک آرٹکل بھی لکھ مارا۔ فرماتے ہیں: "۱۵۸۲ء کے اچانک ابتلا کے بعد ان کا اور ان کے دوست کا سبھی حال ہو گیا تھا گر شہزادہ ہملٹ! غاصب کلاڈیس کے ہاتھوں ڈنمارک کی جو تباہ حالی ہوئی، اسکے واسطے حق یہہ ہے، تو نے اِن دونوں سے زیادہ کڑی جھیلی!

یہہ سچ ہے، تیرا سارا تردد ملک کی قسمت سے وابستہ تھا۔ چنانچہ فورٹن براس کے ان الفاظ کو جنہیں اسنے چار کپتانوں کو تیری لاش کے اسٹیج پر لے آنے کا حکم دیتے وقت منہ سے نکالا تھا، میں بجد سر رہتا ہوں۔

"اگر ہملٹ جیتا رہتا تو بتاتا کہ بادشاہت یوں کیا کرتے ہیں"

مگر میں نہیں سمجھتا تیرا ملال اس پولٹیکل اکونومسٹ کا ساہی تھا یقیناً یہہ اُس سے شریف ترا ور نسبتاً معقول تھا۔ جسے مقدر کی وقت نظر نے صبح ازل کی روشنی میں تجھ میں پھونک دیا تھا چنانچہ ایک ڈنمارک ہی کیا دنیا، تجھے وکھیاری نظر آنے لگی تجھے کسی چیز پر بھروسہ نہ رہا تھا! اس میں کسی کو شبہ ہو تو لاؤ اسے تیرے موت سے سرد ہونے والے ہونٹوں کی لطیف گرو لذ و دُعا سنادیں!

"اُے اللہ! ہر سے شیو کو — آہ! کیسا دلکش نام ہے، میرے بعد زندہ سلامت رکھیو۔ ہر سے شیو! کبھی ہماری یاد آجائے تو دیکھنا، ذرا کی فراخ دامانی سے منہہ موڑ کر اس دکھیاری دھرتی پر ہمارا افسانہ بھی سُنا کر دل دُکھا لینا!"

یہہ تیرے وہی الفاظ تھے۔ اور اس شخص سے مخاطب ہو کر کہے گئے تھے، جسکے خاندان پر تیری طرح جرائم کا زہر نہیں چڑھا تھا۔ وہ تیری طرح قاتل نہ تھا۔ بلکہ ایک آزادہ رو، سمجھدار، اور باوفا طینت کا مالک تھا۔ اُس دکھیاری فضائیں کوئی خوش و خرم ہو سکتا تھا۔ تو وہ ایک خوش و خرم انسان تھا۔ مگر اے شہزادہ ہملٹ! تو کسی کو ایسا نہیں جانتا تھا۔ تیرا یہہ عقیدہ تھا کہ دنیا میں چوطرف بُرائی پھیلی ہوئی ہے! اور اصل بات یہہ ہے، تیری آنکھوں پر بُرائی کی کچھ ایسی عینک چڑھ گئی تھی جس نے ہر چیز میں تجھے بُرائی ہی بُرائی نظر آتی تھی۔ اسمیں شک نہیں، تیری قسمت میں ہی یہہ لکھا تھا، کہ تو یوں یاس کی زندگی تیر کرے اور دکھ درد سہتا رخصت ہو جائے مگر ہے یہہ تو نے بھی اپنے آپ کو اس کیلئے بالکل تیار بنا لیا تھا۔ یہی چیز ہے، جس سے دنیا تجھے اتنا سراہتی ہے۔ تو اس لئے پیدا ہوا تھا، کہ دکھ کا مزہ چکھے۔ چنانچہ اس ضیافت پر جیسی جیسی تیری خاطر کی گئی، ویسا ویسا تو نے اس دکھ کا مزہ لوٹا۔ اور بڑی خندہ پیشانی سے اُسے جھیل لیا۔ سمجھ میں نہیں آتا اُسے کیسا حُسنِ ذوق کہوں؟ اور تھی، تو ایک درد کا رسیا ہے!

شیکسپیر کی زبردست ہستی نے تجھے اسی رنگ میں پیدا کیا تھا۔ اور میں سمجھتا ہوں، تیری پیدائش کے وقت وہ مشکل رجائی (Optimist) رہا ہوگا۔ ہے بھی یوں ۱۶۰۱ء سے ۱۶۱۰ عیسوی تک اسکے ساحر ہاتھوں نے جو جو چیزیں بنائی ہیں وہ یا تو دکھ درد یا مار دھاڑ کی پرچھائیوں کا ایک خاصا بڑا جھرمٹ ہیں۔ کہیں دیکھنے لگا کہ ڈسڈیمونا بدذات آئیگو کے ہاتھوں تباہ ہو رہی ہے۔ اور لیڈی میکبتھ کے نازک ہاتھ باپ جیسے بزرگ بادشاہ کے خون میں لتھڑے ہوئے ہیں۔ کہیں بچارے کورڈیلیا، ٹمن آف ایتھنز اور شیکسپیر کے چاہیتے یعنی تم ہو!

اب لو یہہ لکھ رہا ہوں، جرمنی کی تیری ایک پُرانی تصویر سامنے ہے۔ جس میں مشکل میں تجھے پہچان سکا۔ یہہ تو اس زمانہ کی "یاد ایام" معلوم ہوتی ہے۔ جب ۱۸۶۸ء میں تو برلن کے تھیٹر میں نظر پڑا تھا۔ لیکن اس میں تو وہ

ثقہ ماتمی لباس پہنے ہوئے نہیں ہے۔ جس کا ذکر تیری عیار والدہ نے کیا ہے۔ یعنی یہی کہ نہ وہ بالا بر ہے، نہ موزے ہیں، نہ وہ ٹوپی ہی ہے۔ بلکہ اٹھارویں صدی عیسوی میں تو تو برلن کے اچھے لوگوں کے سامنے ایک ایسے پہناوے میں آیا تھا، جو ہمیں آج بالکل عجیب غریب معلوم دیگا۔ چنانچہ تصویر سے پتہ چلتا ہے کہ تو فرانس کے تازہ ترین فیشن میں تھا۔ بڑے ٹھاٹھ سے پٹیاں جمی ہوئی ہیں، جن سے خوشبو کی لپٹیں پر لپٹیں چلی آرہی ہونگی۔ زردوزی کا کالر، ساٹن کی گھٹنا برجس، ریشمی موزے، بکسوئے دار بوٹ اور دد باریوں کا سا چھوٹا سا بالا بر، مختصر یہہ کہ سر سے پاؤں تک ورسیلز کے مصاحبین کا ماتمی لباس تھا۔ لو اور سنو: تیسری ہنری چہارم والی۔ ٹوپی تو میں بھول ہی گیا، جو الیٹ جنرلوں کے زمانے کے شرفا کی یاد دلاتی ہے۔ غرض یوں پہن اوڑھ کر خیر سے تو بھولی بھالی اوفیلیا کے نازنین گلے کا ہار بن گیا! لیکن دفعتہً رنگ بدلا، اور خوبصورت اوفیلیا کے ارمان بھرے سینہ کو تو نے دور کر دیا۔ وہی معصوم اوفیلیا جو اصل یہہ ہے، اپنے گمیر دار گوں اور رچالی وضع کی پروں دار اونچی ٹوپی میں گو مارے ڈالتی تھی، لیکن بحیثیت عورت وہ تیری دغاباز والدہ کی یاد تازہ کر دیتی تھی! تیرے دوسرے ساتھی بھی اپنے اپنے مرتبہ کے موافق کپڑے لتے پہنے ہوئے انگوزر کا اور تہمٹا والی ٹریجڈی میں تیرے ساتھ موجود تھے۔ جہاں تیری لوئی شانزدہم والی خوبصورت کرسی خالی ہے۔ اور اسکے پچھلے گل بوٹے دکھائی دیرہے ہیں۔ اپنے چچا یعنی بادشاہ وقت کے چہرے پر تو نے نظریں گڑھو دیں۔ اور سیٹ کے بل رینگ رینگ کر اسکے اعتراف گناہ اور پشیمانی کا رنگ دیکھنا شروع کیا۔ کیونکہ اسی سے بدلہ لینے کیلئے تو تجھے ذمہ دار بنایا گیا تھا۔ بادشاہ سلامت بھی بڑے ٹھاٹھ سے ہنری چہارم والی شاندار ٹوپی ڈاٹے بیٹھے ہوئے تھے۔ تجھی شاید خیال ہوگا۔ میں ان باتوں سے تیری کھلی اڑا کر اپنے زمانے کے لباس اور زرزیور کی شیخی بگھارنا چاہتا ہوں، مگر نہیں، یہہ غلطی ہے۔ اگر میرے پاس والی تصویر کیطرح تیرا پہناوا نہیں ہے تو نہ سہی، یقین جان، مجھے اسکا مطلق تعلق نہیں۔ میں تو ایسے باتوں سے کوسوں دور رہتا ہوں۔ اور تیرے موجودہ پہناوے کو دل سے چاہتا ہوں۔ سچ یہہ ہے کہ لباس تیرے نزدیک بیکار سی چیز ہے۔ تیرے جو جی میں آئے پہن لے۔ اگر پوشاک سندر ہی تو ضرور وہ تجھے سج کر رہے گی۔ تو تو ہر زمانے اور ہر ملک کا باشندہ ہے! تیری روح ہماری روحوں کی ہم عمر ہے، تو ہمیں میں کا جنا ہے اور ہماری ہی طرح دنیا کی

کلفت میں گرفتار! تیری باتوں اور طور طریق پر حرف گیری کیجاتی ہے۔ کہتے ہیں۔ تیری باتیں نامعقول ہوتی ہیں۔ اس لئے تجھ سی بعید از عقل ہستی کو کیونکر سمجھا بوجھا جائے۔ کیونکہ کبھی تو تو ازمنہ وسطی کے ایک پادری کی طرح سوچنے لگتا ہے۔ اور کبھی دم کے دم میں دور جدید کا فاضل بن بیٹھتا ہے۔ تیرا دل و دماغ ایک طرف فلسفہ میں رچا ہوا ہے تو دوسری طرف کچھ بھی نہیں۔ تو جھوٹی باتوں کا مجسم خطرہ نظر آتا ہے۔ اسلئے تیری زندگی ایک مسلسل جھوٹ ہی۔ یہہ تو صاف ہے کہ تو قابل یقین ہے لیکن ساتھ ہی بعض نقاد تجھے صاحب الرائے بھی کہہ اُٹھتے ہیں جو ناقابل تردید ہے۔ آخر میں تو اے شہزادہ ہملٹ! انھوں نے کہدیا کہ بجائے انسان کے تو خیالات اور اضداد کا مجموعہ ہے۔ مگر اُن عقل کے ہیٹوں سے کون کہے کہ یہی تو تیری انسانیت کی نشانی ہے۔ تو چست بھی ہے سست بھی سمجھدار بھی ہے، سادہ لوح بھی۔ مہربان بھی ہے قہرمان بھی۔ تو ایک چیز میں یقین بھی کرتا اور شک بھی۔ تو سیانہ بھی ہے، دیوانہ بھی۔ خلاصہ یہہ ہے تجھ میں جان کی گرمائی ہے کوئی بتائے تو سہی ہم میں سے کون ایسا ہے۔ جو تجھ جیسا نہیں؟ کون ایسا ہے جس کا قول و فعل کبھی کچھ اور کبھی کچھ نہیں۔ اسلئے کون ایسا کٹر ہوگا جسے ترس، دردمندی، خوف و تعریف کے ساتھ یہہ کہتے بن نہ آئے گی کہ :-

خدا حافظ، پیارے شہزادے! فرشتوں کی پرواز تجھے چین کی لوری سنائے۔

(ماخوذ) سید وزیر حسن

ہمارے بھائی مولوی عبد الستار صاحب بی۔ اے، خوشی کی بات ہے کہ رکن دار الترجمہ مقرر ہوئے ہیں کام تو ایک مدت سے کر رہے تھے لیکن تقرر کا تصفیہ اب ہوا ہے۔ وہ ہماری دلی مبارکباد قبول فرمائیں۔ دعوت کے معاملہ میں وہ اپنے بڑے بھائی مولوی عبد الرزاق صاحب کی ایک نہ سنیں، اور وصول کی خاطر سہ منی فاتحہ کا انتظام کریں۔

ہمیں اطلاع ملی ہے کہ برادرم مسٹر انوار الهدی سب انسپکٹر پولیس کا تبادلہ تھانہ مسافر خانہ سے، تھانہ بیرپور ضلع سلطانپور کا ہوگیا ہے۔

ہمارا کالج

مسلم علی گڈھ یونیورسٹی کا جلسہ

علی گڑھ (۱۵ اپریل دیر رسیدہ) علیگڈھ یونیورسٹی کورٹ کا ایک تاریخی جلسہ بند کمرے میں منعقد کیا گیا معلوم ہوا ہے کہ سر مزمل اللہ خان نائب امیر جامعہ نے صدارت کرتے ہوئے استدعا کی کہ اعتماد و عدم اعتماد کی تحریک پر سب سے پہلے بحث کیجائے سر عبدالقادر کو بالاتفاق صدر نشین بنایا گیا۔

سر س غلام محمد نے تحریک کی کہ نائب امیر جامعہ کو چاہیے کہ وہ اپنا استعفا پیش کر دیں تاکہ تحقیقاتی کمیٹی کے مجوزہ اصلاحات کو عملی جامہ پہنانے میں سہولت ہو۔

بدوران بحث راجہ صاحب محمودآباد نے تجویز پیش کی کہ اس تحریک واپس لے لیا جائے اور اسکے بعد مسٹر ولایت احمد سے استدعا کی کہ نائب امیر جامعہ کی خدمات کے اعتراف سے متعلق کوئی تحریک نہ پیش کیجائے۔

اس تحریک کو منظور کیا گیا اور نائب امیر جامعہ پھر اپنی نشست پر آ بیٹھے۔ آخر میں ڈاکٹر ضیاءالدین کا استعفا منظور کر لیا اور نائب امیر جامعہ نے پرو وائس چانسلر کی خدمات جو انھوں نے یونیورسٹی کی خاطر انجام دیں تعریف کی

اسکے بعد جسٹس سلیمان نے ایک تحریک پیش کی کہ تحقیقاتی کمیٹی کی سفارشات کو منظور کرکے تحریک منظور کیجائے چنانچہ یہ تحریک منظور کی گئی۔ اور ایک ماہر تعلیم کو پرو وائس چانسلر کی جگہ میں مقرر کرنے کیلئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی اور ایک کمیٹی اس غرض سے قایم کیگئی کہ رپورٹ تحقیقات کی نسبت مجلس انتظامی کی سفارشات کی نسبت تجاویز پیش کرے۔

آج کی حاضرین جلسہ میں منجملہ دیگر اصحاب کے نواب صاحب چھتاری نواب محمد یوسف جسٹس نعمت اللہ مولوی محمد یعقوب بھی تھے۔

علی گڑھ ۴ مارچ۔ وائس چانسلر علیگڈھ یونیورسٹی اعلان کرتے ہیں کہ مسٹر ولنر کی خدمات ۱۲ ماہ کیلئے حاصل کی گئی ہیں۔ غرض یہہ ہے کہ استفساری کمیٹی کی رپورٹ کی روشنی میں مناسب تغیرات عمل میں لائے جائیں۔ وائس چانسلر نے مجلس انتظامی سے حاصل شدہ اختیارات کی رو سے عملہ کے سینئر ممبر مسٹر ایم شریف کو عارضی طور پر وائس چانسلر مقرر کیا اور یہہ کہ تین سال کیلئے ایک خاص پرو وائس چانسلر کے انتخاب کا کام ایک کمیٹی کے سپرد کیا جس کے ارکین والی بھوپال وائس چانسلر سر عبدالرحیم۔ مسٹر جسٹس سلیمان سر ابراہیم رحمت اللہ مہاراجہ محمود آباد سر عبدالقادر ہیں اجلاس آئندہ کے پہلے پہلے امید کیجاتی ہے کہ اس افسر کا تقرر ہو جائے گا۔

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ متذکرہ بالا کمیٹی کی تحریک پر پرو وائس چانسلر کی خدمت کیلئے عارضی طور پر مسٹر ایم ایم شریف کا انتخاب عمل میں آیا ہے۔ اپنی جگہہ پر یہہ انتخاب کیسا ہی درست کیوں نہ خیال کیا جائے، لیکن بہر صورت نواب مسعود جنگ بہادر کے لئے سعی نہایت موزوں ہوگی۔ سر سید کے پوتے اور مسٹر محمود کے بیٹے ہونے کی بنا پر بھی اس خدمت کے پیش کئے جانے کا خیال بجائے خود مناسب ہے، اور پھر یہ امر واقعہ ہے کہ ممالک محروسہ سرکار آصفیہ کے ایک مفید سررشتہ کو نواب مسعود جنگ ایک مدت تک کامیابی کے ساتھ چلاتے رہے ہیں، اور امید ہے کہ مسلم یونیورسٹی کے پرو وائس چانسلر کے فرائض بھی باحسن الوجوہ انجام دے سکیں گے۔

ڈیرہ دون اور سہارنپور کے خوش ذائقہ چاولوں کے شوقین حضرات حافظ منظور احمد (علیگ) سے اسپلائی ایجنسی سہارنپور کے پتہ پر خط کتابت فرمائیں۔

اولڈبوائز

۱ - گزشتہ رسالہ میں ہم نے کمیٹی مسجد نظامیہ کے بعض اُن ارکان کا نام لیا تھا، جو علیگڈھ کے فرزند ہیں۔ اب ہمیں برادر مکرم نواب فخر یار جنگ بہادر کی ایک مطبوعہ تحریر سے معلوم ہوا کہ کمیٹی کے ارکان میں جن ناموں کا اضافہ ہوا ہے اُن میں ہمارے مندرجہ ذیل بھائی بھی شریک ہیں:-

(۱) کرنل عظمت اللہ سردار بہادر (۲) مولوی اظہر حسن صاحب (۳) نواب صمد یار جنگ بہادر (۴) مولوی سید محی الدین محمود صاحب (۵) مولوی سید محمد تقی صاحب (۶) مولوی مظہر حسین صاحب (۷) مولوی محمد یونس صاحب (۸) مولوی سید محی الدین صاحب (۹) مولوی سید محمد اعظم صاحب (۱۰) مولوی سید محمد حسن بلگرامی صاحب (۱۱) نواب ناظر یار جنگ بہادر (۱۲) نواب بشیر یار جنگ بہادر (ہمارے آنریری اولڈبوائے نواب صدر یار جنگ بہادر کا نام بھی اس فہرست میں شریک ہے۔ حضور پرنور کا شاہانہ عطیہ (پانچ لاکھ سکہ انگریزی) داخل بنک ہو چکا ہے۔ دوسرے باخبر لوگوں میں ہمیں برادر مکرم نواب محی الدین یار جنگ بہادر اور برادر عزیز میجر مرزا محسن بیگ صاحب کے اسماء بھی نظر آتے ہیں۔

۲ - حال ہی میں حضور پرنور نے بعض جاگیرات واگزاشت فرمائی ہیں۔ اس غرض کیلئے تھوڑا عرصہ ہوا ایک کمیٹی زیر صدارت مسٹر ٹاسکر مقرر ہوئی تھی، اور دو ارکان کے منجملہ ایک ہمارے بھائی نواب صمد یار جنگ بہادر معتمد فوج بھی تھے۔

۳ - مولوی شاہ نواز خاں صاحب مہتمم خفیہ پولیس کے نامزد پر مامور ہونے کے سلسلہ میں

جو تبدیلیاں عمل میں آئی ہیں، ان میں بعض فرزندان علیگڈھ کا تبادلہ بھی بروئے عمل آیا ہے۔ بہمتی خفیہ پولیس پر ہمارے بھائی مولوی شاہ محمد خاں صاحب حیدرآباد آئے ہیں، اور انکی معاونت میں برادر عزیز مولوی سید علمدار حسین صاحب کو دیا گیا ہے، جو اب تک ضلع اورنگ آباد میں مددگار مہتمم کوتوالی تھے۔ یہہ بھی اتفاق ہے کہ ان دونوں کی جگہ جو حضرات مامور کئے گئے ہیں وہ بھی ہمارے کالج کے فرزند ہیں۔ مسٹر خاں کی جگہ آصف آباد پر مولوی فریدالدین صاحب کا تبادلہ ورنگل ہی سے ہوا ہے۔ اور نظام آباد سے مسٹر سرتاج عالم، سید علمدار حسین صاحب کی جگہ اورنگ آباد گئے ہیں۔ حیدرآباد آنیوالے بھائی اپنے نعمت خانوں سے ہشیار رہیں۔ کہ ایک خضر صورت بزرگ انکے ڈائننگ روم پر چھاپا مارنے کی فکر میں ہیں۔ یہہ بزرگوار تنہا نہونگے، بلکہ اپنی ذریات کو ساتھ لائیں گے۔

۴۔ برادرم مسٹر احمد الدین عالم پور ضلع رائچور سے تحریر فرماتے ہیں کہ پرچے جسقدر پہنچے وہ پہنچے، اور جو کوئی آئندہ پہنچے گا وہ بطور تبرک سر وچشم پر رکھا جائے گا۔ خداوند عالم اس کی اشاعت وارادت میں روز افزوں ترقی عطا فرمائے۔ ایک پرچہ کے "یاد ایام" کے مضمون نے دل ہلا دیا، گویا اپنی قدیم زندگی وزندہ دلی کے سینما کا ایک فلم تھا، جو نظروں کے سامنے آیا اور چلا گیا"۔ ہم اپنے بھائی سے دریافت کرتے ہیں کہ آپکو کس نے منع کیا ہے کہ آپ اپنے "یاد ایام" یا اور کسی مضمون پر خامہ فرسائی نہیں فرماتے۔

۵۔ بہت سے لوگ یہہ معلوم کرکے خوش ہونگے کہ برادر مکرم مولوی اصغر علی خاں صاحب مددگار معتمد باب حکومت کی آمدنی میں سو روپیہ ماہانہ الونس کا اضافہ ہوگیا ہے۔ یہہ بچارے خدا معلوم کتنی مدت سے پیٹ کے مارے ہیں، اور کوئی باورچی ان کی نظروں میں نہیں سماتا۔ شاید چراغ تلے اندھیرے کی مثل اس موقعہ پر صادق آتی ہے کہ انھیں اپنے معتمد مولوی سید محمد مہدی صاحب کے اٹاوہ والے باورچی کی خبر نہیں، جو حیدرآباد میں بیٹھکر اٹاوہ کی نانیں کھلایا کرتا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارے ترقی یاب بھائی کے احباب اسپر قانع ہوجائیں گے۔ رہے ہم، سو ہم نے یہہ تصفیہ کرلیا ہے کہ اُن کے پاس مدراس سے شکوں کا پارسل آئے، اور ہم اُسے راہ ہی میں اُچک لیں۔

۶۔ کہتے ہیں کہ ہمارے برادر عزیز مسٹر کریم احمد خاں کو پڑھانے کی نوکری کے بعد، اب مہتمم تعلیمات

ضلع ناندیڑ بنادیا گیا ہے۔ ہمارے ان بھائی پر حاجی فخر یار جنگ کا سایہ پڑ گیا ہے، اور الحمدللہ کہ گھر بیٹھے حج کا ثواب حاصل کرلیا کرتے ہیں۔

۷۔ حضور پرنور خلد اللہ ملکہ' نے اس مرتبہ شہزادگان بلند اقبال کو شیر کے شکار کی اجازت عطا فرمائی، اور اس کام کے سلسلہ میں اعلیٰ پیمانہ پر انتظامات بروئے عمل آنے لگے تو اپنے آقازادوں کی خدمتگزاری کا شرف وافتخار چند اولڈبوائز کو بھی عطا فرمایا گیا۔ برادرم مولوی فریدالدین صاحب کے سپرد شکارگاہ کے حفاظتی انتظامات تھے، اور عزیزی سیّد فائق حسین کی نگرانی میں شاہانہ کیمپ کے آرایش تھی دونو ںیا پرانے تجربہ کار تھے، اسلئے اپنے اپنے انتظامات کو ایسے اچھے طریقہ پر انجام دیا کہ شہزادگان والاتبار نے اظہار خوشنودی فرمایا اور اسٹاف کے تمام اہل بصیرت خوبی کار کے قائل ہو گئے۔ "خرما" اور "ثواب" کی مثل ایسے ہی مواقع کیلئے موزوں ہوا کرتی ہے۔ حیدرآباد سے بھی علیگڈھ کے چند فوجی کھلنڈرے اپنے فرائض کے سلسلہ میں نرسم پیٹھ پہنچ گئے تھے، اسلئے سب نے اپنے اوقات فرصت کو جنگل میں منگل منانے پر صرف کیا۔ ہمارے ان بھائیوں میں کرنل عظمت اللہ سردار بہادر، میجر عبدالجبار خاں، لفٹنٹ غلام معین الدین، لفٹنٹ نظام علی بیگ، اور لفٹنٹ قیصر مرزا بیگ کے نام شریک ہیں۔

۸۔ برادر مکرم ومحترم مولوی عبدالحق صاحب عنقریب وظیفہ حسن خدمت حاصل کرکے خانہ نشین ہونیوالے ہیں۔ ہماری یہ بھائی صدر معلم مدرسہ آصفیہ کی حیثیت سے جب سے ارض دکن پر وارد ہوے، اپنی زندگی کے دنوں کو نہایت استقلال کے ساتھ اچھا زمانہ آنے کے انتظار میں گزارتے رہے اس عرصہ میں، ہمیں یاد پڑتا ہے کہ نظامت کوتوالی، معتمد مالگزاری (صیغہ آبکاری) میں سعی لاحاصل کے بعد، معتمدی عدالت میں مترجم کی حیثیت سے داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے لیکن یہاں بھی کالے کالے بادل مولوی صاحب کے سرپر منڈلانے شروع ہوگئے۔ بالآخر اس وقت کے ناظم تعلیمات ڈاکٹر نواب سراج یار جنگ بہادر نے ان کی جانب التفات فرمایا، اور سررشتہ تعلیمات میں لے لیا۔ ڈاکٹر الماالطیفی کا زمانہ ان کے سازگار نہوا لیکن نواب مسعود جنگ بہادر نے مولوی صاحب کی بڑی حوصلہ افزائی فرمائی، اور مناسب موقعہ معاونت فرماتے رہے، تا اینکہ اب پرنسپلی اورنگ آباد کالج سے مولوی عبدالحق صاحب وظیفہ حاصل

فرما رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ اپنی باقی زندگی کسی اچھے مقام پر بیٹھ کر مفید کام میں صرف فرمائینگے۔

مولوی عبدالحق صاحب کی جگہ ہمارے برادر عزیز مولوی سجاد مرزا صاحب ایم اے کیمبرج صدر مہتمم صوبہ گلبرگہ کا انتخاب ہوا ہے۔ اسی سلسلہ میں دارالعلوم ہائی اسکول کی پرنسپل کی خدمت برادرم مولوی سید حسین صاحب بی اے۔ بی ٹی صدر مدرس پربھنی کو ملی ہے۔ ہم اپنے ان بھائیوں کو دلی مبارکباد دیتے ہیں۔

۱۰۔ باتباع فرمان خسروی سررشتہ کورٹ سے سمستان گدوال کی حکومت رانی صاحبہ کے سپرد کی گئی تو لازمی طور پر اسکے انتظام کیلئے کسی عہدہ دار مال کا مقرر کیا جانا ضروری ہوا۔ اس کام کیلئے ہمارے برادر مکرم مولوی عزیز حسن صاحب کا تقرر منصب نظامت پر عمل میں آیا۔ یہہ بالکل حسن اتفاق ہے کہ مددگار معتمد مال (صیغہ آبکاری) کی خدمت علی گڈھ کے ایک دوسرے فرزند مولوی قارالدین صاحب کے پاس نام ہوی ہے۔ ہم اپنے دونوں بھائیوں کو دلی مبارکباد دیتے ہیں۔ برادری کیجانب سے مٹھائی کا تقاضہ اس لئے نہیں کرتے کہ دونوں صاحب سیدھی کے خم کیجانب اشارہ کردیں گے۔

۱۱۔ برادرم مولوی میر تراب علی خاں صاحب رجسٹرار لیجسلیٹو کونسل کو حال میں درجہ کی ترقی عطا ہوی ہے، اور پیسے بھی بڑھے ہیں، اسلئے اپنے بہت سے بھائیوں کی جانب سے مبارکباد پیش کرنا چاہتے ہیں۔ خداوند عالم ہماری بھاوج کو صحت کامل عطا فرمائے اور وہ اپنے میاں کی ترقی سے خاطر خواہ برومند ہوں۔

۱۲۔ ہمارے بھائیوں میں سے مسٹر سید خورشید حسن گورنمنٹ پریس پٹنہ کے سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوے ہیں، اور اُن سے چھوٹے بھائی ڈاکٹر سید جعفر حسن، مددگار پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد قرار پائے ہیں۔ خوشی کی دعوت دونوں بھائی ایک ساتھ نہیں دے سکتے، اور نہ یہہ ہوسکتا ہے کہ بہار کی لیچیوں کی تواضع کر کے جان بچائی جائے۔ دعوت سے پہلے مبارکباد ہم ان دونوں کے والدین کو دینا چاہتے ہیں، خاص کر ماں کو جنھوں نے اپنی اولاد کی تربیت میں بڑا حصہ لیا ہے۔

۱۳۔ یکے بعد دیگرے ہیں دو سانحوں کی اطلاع سے الم اندوز ہونے کا موقع ملا یقیناً تمام

اولڈبوائز یہ معلوم کر کے افسوس کریں گے کہ برادرم سید عسکری حسن کے والد ماجد اور برادرم سید خورشید حسن کے برادر اکبر نواب جبار یار جنگ بہادر نے مرض سرطان سے حیدرآباد میں وفات پائی، اور وائرہ میر مومن میں دفن ہوئے۔ دوسری اطلاع بھی ایسی ہی غمناک ہے۔ برادر عزیز مسٹر سرور حسن کے والد ماجد اور برادرم مسٹر خواجہ نور حسن کے برادر بزرگ مولوی خواجہ انور حسن صاحب نے بیت المقدس اور مصر کی راہ میں وفات پائی۔ دونوں بھائیوں کا یہ سفر راہ خدا میں ہوا تھا، مگر عالم غربت میں ایک بھائی دوسرے سے جدا ہو گیا۔ خداوند عالم دونوں مرنیوالوں کو جنت میں مراتب اعلیٰ عطا فرمائے۔ اور پسماندوں کو صبر جمیل۔

ـــــــــــــــــــــــــــــــ

ہمیں یہ معلوم کر کے بیحد خوشی ہوئی کہ برادرم مولوی قاسم حسن صاحب کی دختر نیک اختر کی شادی برادر مکرم مولوی ابن حسن صاحب کے فرزند مسٹر ابوالحسن سے ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ کو دہلی میں ہوئی۔ نکاح کے موقعہ پر ڈاکٹر انصاری، بھائی محمد یعقوب (قوم) آنریبل شاہ محمد زبیر، مسٹر یوسف امام، مولوی محمد شفیع داؤدی اور دوسرے بہت سے معززین کا مجمع تھا۔ کیا عجب ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو لڑکی کے باوا جان نے وہ وقت یاد دلایا ہو، جب وہ اسٹریچر پر پڑے ہوئے پیروں سے اپنے علاج کرنیوالے کی مدارات میں مشغول تھے۔ بھائی قاسم ہم سے کہتے ہیں کہ منگولی آؤ، اور دعوت کھا جاؤ۔ اور ہم کہتے ہیں کہ نواب نذیر جنگ بہادر نے جب سے اولڈبوائے کے فرائض ہمارے سپرد فرمائے ہیں، ہم کو اپنے تن بدن کا ہوش نہیں۔ ان سے فرصت ہوا اور رسالا اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے تو شاید ہمیں کہیں باہر جانے کا موقعہ مل سکے۔ بہرطور اس موقعہ کی مبارکباد لڑکی اور لڑکے دونوں کے والدین قبول فرمائیں۔


اولڈ بوائز ڈائرکٹری

